فکرِ غیور

منتخب نظموں کا مجموعہ

عاشق کاشمیری

تکبیر پبلیکیشنز سرینگر

مُنتخب نظموں کا مجموعہ

فکرِ غیور

عاشق کاشمیری

ناشر:- تکبیر پبلیکیشنز سرینگر

سلسلۂ مطبوعات نکشبیر پبلیکیشنز ۴

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب ______ فکرِ غیور
نوعیت ______ مجموعہ منظومات
شاعر ______ عاشقِ کاشمیری
اشاعتِ اوّل ______ جولائی ۹۲ء
تعداد ______ ۱۰۰۰
ناشر ______ نکشبیر پبلیکیشنز سرینگر
باہتمام ______ جوہر قدوسی
کتابت ______ عبدالرؤف
سرورق ______ شبیر رضوی
مطبع ______
قیمت ______ ۵۰ روپے (عام ایڈیشن)
۷۵ روپے (لائبریری ایڈیشن)

مصنف کا مختصر تعارف

پورا نام ـــــــــــ سید عتیق اللہ بخاری

قلمی نام ـــــــــــ عاشق کاشمیری

سالِ ولادت ـــــــــــ ۱۹۴۵ء

تعلیم ـــــــــــ آنرز (انگریزی و فارسی)

ایم اے (اردو)

سکونت ـــــــــــ دھرمنہ (ضلع بڈگام) حال سرینگر

شغل ـــــــــــ صحافت

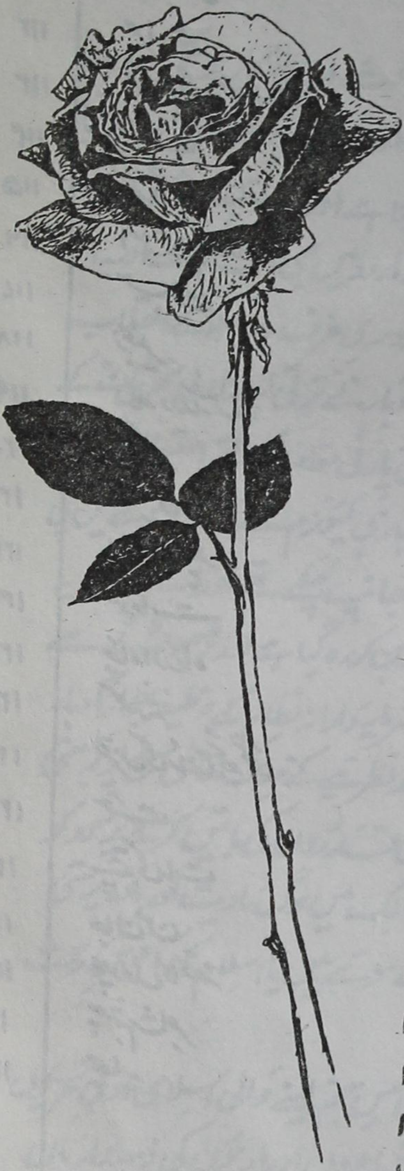
(مدیر اعلیٰ روزنامہ "اذان" سرینگر)

دیگر تصانیف

نثر و نظم میں ایک درجن کے قریب

جن میں سے کئی بیرونِ ملک بھی شایع ہوئی ہیں

فہرست عنوانات



حرفِ آغاز

ادب دراصل حسنِ کلام اور تاثیرِ کلام کا نام ہے۔ یہ بحث اب بیکار ہو چکی ہے کہ اب صرف ادب ہے اور اسے زندگی کا آئینہ دار ہونے کے علاوہ کوئی اور کام انجام نہیں دینا چاہیئے، ادب برائے ادب کا نظریہ رد ہو چکا ہے اور جدید تہذیبی قدروں کے تمام علمبردار اب مقصدی ادب کے قائل ہو چکے ہیں۔ اردو میں بھی ادب برائے ادب کے جو نظریات موجود تھے۔ وہ تقریباً سب دم توڑ چکے ہیں۔ دوسری طرف ۱۹۱۷ء کے انقلاب روس سے متاثر و مرعوب ہو کر اردو کے جن شعراء و ادباء نے "ترقی پسند ادبی تحریک" کے نام پر اشتراکی فکر و فلسفہ کو عام کرنے اور ادب کو محض پارٹی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ انہوں نے نہایت قلیل عرصہ کے بعد ہی کمیونزم سے تائب ہونے میں اپنی عافیت سمجھی۔ شاید یہ لوگ استعمار کے جارحانہ عزائم کو بھانپ چکے تھے اور اب تو حال یہ ہے کہ روس ٹوٹ کر بکھر چکا ہے۔ کمیونزم قصۂ پارینہ بن کر رہ گیا ہے اور ڈھونڈنے سے بھی کوئی کمیونسٹ کہیں نظر نہیں آتا۔ کچھ یہی حال سرمایہ دارانہ نظام کے وظیفہ خوار ادباء و شعراء کا بھی ہے۔ یہ لوگ کیپٹلزم کے انسانیت سوز نظریے کے خلاف عالمی سطح پر بڑھتی ہوئی نفرت سے خائف ہو کر اب اخلاقی و روحانی قدروں کی باتیں کرنے پر خود کو مجبور پا رہے ہیں۔ چنانچہ امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں لوگ مادیت اور مادہ پرستی سے اس قدر تنگ آ چکے ہیں کہ یا تو خودکشی پر تلے ہوتے ہیں یا اسلام کی آغوشِ رحمت میں پناہ لے رہے ہیں۔

ان حالات کے پیشِ نظر بیسویں صدی میں جنم لینے والی اسلامی ادبی تحریکوں سے وابستہ قلمکاروں، صحافیوں، دانشوروں، شاعروں اور ادیبوں کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ گئی ہیں۔ یہ انہی تحریکوں اور ان کو برپا کرنے والے علامہ اقبال رہ اور حفیظ جالندھری جیسی عبقری شخصیتوں کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ اب ادب کو بھی اللہ تعالیٰ

سے پسندیدہ دین کا ترجمان بنانے کی عملی کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ چنانچہ یہ ایک خوش آیند امر ہے کہ تمام باطل نظریات کی شرمناک ناکامی کے بعد دوسری زبانوں کی طرح اب اردو میں بھی اسلامی ادب کی تحریک زور و شور سے اپنا کام آگے بڑھا رہی ہے اور ایسے ادیبوں اور شاعروں کو منظم و متحد کر رہی ہے جو اپنے فن کو سستے داموں بیچنے کے بجائے اسے خدمتِ انسانیت کے اعلیٰ مقصد کیلئے استعمال کرنے کے متمنی ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اسلامی ادب کی فعال تحریک سے وابستہ نعیم صدیقی، پروفیسر فروغ احمد، سید اسعد گیلانی۔ ڈاکٹر احمد سجاد، پروفیسر عبدالمغنی۔ حفیظ میرٹھی۔ عزیز بگھروی اور بہت سے دیگر مشاہیر ادب کے ساتھ ساتھ کشمیر کے جن کہنہ مشق شعراء کا نام سرِ فہرست ہے۔ ان میں عاشق کاشمیری اور مشتاق کاشمیری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

عاشقؔ کاشمیری جو بنیادی طور پر اردو کے شاعر ہیں۔ اپنے ہم عصر شعراء سے کئی رنگوں میں مختلف ہیں۔ ان کے کلام میں "جدیدیت زدہ" شعراء کی طرح رومانی اظہارِ خیال، حسن و جمال کی عشوہ طرازیاں، آسیب زدگی، نارسائی کا کرب، نادیدہ طلسماتی دنیاؤں کا سفر، تاریکی، گرد و پیش سے انحراف، سایہ آلود فضائیں، ابہام کا شدید احساس، اعلیٰ شاعری کے نام پر بے مقصدیت، ناقابلِ فہم تراکیب اور مبہم استعاراتی اظہار جیسی چیزیں نہیں ملتیں۔ اس کے برعکس کلامِ عاشق میں عشقِ صادق کی تڑپ، جمود و تعطل سے گریز کا سبق، شبِ تاریک کو سحر کرنے کا عزم، اپنی زمین اور اپنے وطن کے مسائل سے آمنا سامنا، انقلاب انگیز خیالات کی فراوانی، ظلم و جبر کی آندھی میں صبر و استقامت کے چراغ جلانے کا سلیقہ اور سب سے بڑھ کر ایک ایسے نظریے کے واضح خد و خال موجود ہیں، جو سسکتی انسانیت کے دکھوں کا واحد مداوا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ کلام میں نہ کہیں ابہام ہے اور نہ ایہام۔ بات جو بھی کہی گئی ہے درست کہی گئی ہے بالکل شاعر کے منشاء کے مطابق۔

اب کھل کے کر بات تو کچھ بات بنے گی
یہ دورِ اشارات و کنایات نہیں ہے

عاشق صاحب "واقعی بات بنانے" میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعۂ کلام

(جس کو شائع کرنے کی سعادت تکبیر پبلیکیشنز کو نصیب ہو رہی ہے) میں انہوں نے جو مضامین باندھے ہیں ان سے عاشق صاحب کے فکر و خیال، نظریۂ حیات، شدت احساس اور فکر غیور کی متنوع جہتوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے

مجھے اُمید ہے کہ عاشق صاحب کا یہ مجموعہ کلام نہ صرف کشمیر میں مقبول عام خاص و عام ہو کر اسلامی ادب کی نوخیز تحریک کو جلا بخشنے میں کامیاب ہوگا بلکہ عالمی سطح پر بھی ادب اسلامی کے مشاہیر کے لئے باعث دلچسپی ثابت ہوگا

جوہر قدوسی

(مہتمم تکبیر پبلیکیشنز)

۱۷ دسمبر ۱۹۹۱ء

اِنتساب

اِن پھول چہروں کے نام

جن کے عزم سے کوہ و بیابان ہل گئے

اقتدار کے مست ہاتھی لرزہ براندام ہوئے

بارود کے سُلگتے انبار سرد پڑ گئے

ایمان کی بہار نے جنم لیا

اور ________________

جن کا مقدس لہو یہ پیغام ابدی دے گیا ہ

ستونِ دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ

جہاں تلک یہ ظلم کی سیاہ رات چلے

مجھ سے ملئے

"فکرِ غیور" کے نام سے میری نظموں کا مجموعہ بھی اب آپ کے سامنے ہے۔ میرے خیالات واحساسات کے زیر و بم کو زیادہ واضح صورت میں آپ اِن ہی نظموں کے آئینے میں دیکھ سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جہاں اِن کی آمد میری طبیعت کی غیر اختیاری کیفیت کا کرشمہ ہے۔ وہیں پر میں نے اِن نظموں میں پوری شعوری کوششوں کے ساتھ اپنے زخم خوردہ دل کے داغ سامنے رکھے ہیں اِن نظموں کو میں نے بار بار پڑھا ہے اور جس جس دور میں اِن کی تخلیق ہوتی ہے۔ اسی زمانے کے اپنے فکری ارتقاء کے ساتھ اسے جوڑ دیا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں کہ جب اِن کا کلام شائع ہو کر ناقدین و قارئین کے سامنے آجاتا ہے تو ایک سنجیدہ قاری کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ شاعر کب نوجوان تھا، کب جواں رہا ہے۔ کس دور میں ادھیڑ عمر کا تھا اور اب کس دوراہے پر کھڑا ہے۔ ایک شاعر خدا کے پاس ڈھلا ہوا جانا چاہتا ہو تو اسے مکمل طور پہ ریاض کر اپنی تخلیقی رفتار کو اپنے قارئین کے سامنے رکھنا چاہیئے، تاکہ فکری زندگی کے گناہ و ثواب کا محاکمہ کیا جا سکے۔

اس مجموعہ میں میں نے اپنی چھوٹی بڑی بہت سی نظمیں جمع کر لی ہیں۔ اِن کو چھاپنے کا واحد مقصد بھی وہی ہے جو غزلوں کے ضمن میں عرض کر چکا ہوں۔ البتہ اِن نظموں کے ذریعہ آپ تیس چالیس سالوں پر مشتمل ایک ایسے دور کے لمحات کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ جس نے حیران کن واقعات، تباہ کن حوادث اور خون رلوانے والے سانحات کو جنم دیا۔ میں نے کس طرح اِن کا تجزیہ کیا ہے اور کس انداز سے نتائج اخذ کر کے سوچنے اور عمل کرنے کی راہیں متعین کی ہیں۔ اِن کا عکس آپ میری اِن نظموں میں پائیں گے۔ اس دوران ہم نے تلخیوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ابتلاؤں کو جھیلا ہے، زندانوں کی زینت بننے کا شرف بھی حاصل کیا ہے حق گوئی کی سزائیں بھی پائی ہیں۔ دار و رسن کی کڑی آزمائشوں سے گذرنے والے تبسم بر لب

سرفروشوں کو بھی دیکھا ہے، شکست کھانے والے بزدلوں اور فتح پانے والے شیر دلوں کے زوال و عروج کا مشاہدہ بھی کیا ہے، قلم پر پہرہ بٹھانے والے چنگیزوں، گردن پر چھری چلانے قاتلوں، زبان کھینچنے والے عفریتوں اور خون نوش کرنیوالے ستم شعاروں کے ساتھ بھی انکو میں نے دیکھا ہے جو اعلیٰ مقصد حصول کی خاطر کشمکش کا زہر خوشی خوشی پیتے ہیں اور نہایت ہی صبر و سکون کے ساتھ جادۂ پُرخار پر گامزن ہو کر آخری سانس تک بھی اپنی آبلہ پائی اور اپنی تھکان کا اظہار نہیں کرتے۔

میری غزلوں کا مجموعہ "حسنِ شعور" کے نام سے آپ کے سامنے پہلے ہی آیا ہے۔ میرے اس کلام میں کتنا حسن اور کتنی تاثیر ہے اس کا فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں۔ سنہ ۱۹۸۰ء تک جو بھی غزلیں میں نے کبھی کبھی کہی ہیں ان میں سے دستیاب کلام کو اس دورِ پُر آشوب میں جمع کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ جب چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ نہ ان دوستوں تک پہنچ تھی جن کو خطوط کے ذریعے گاہ گاہ اپنے اشعار ارسال کرتا رہا ہوں نہ وہ اخبارات و جرائد مہیا تھے جن میں میرے کلام کا کچھ حصہ چھپا ہوا تھا اور میرے پاس ان سب کی نقول نہیں تھیں۔ سب سے بڑی بدقسمتی یا خوش بختی یہ ہے کہ میں نے آج تک کی شعوری زندگی کے تیس پینتیس سالوں کے دوران کبھی بھی اپنی منظوم اور منثور تخلیقات کو باضابطہ طور جمع نہیں کیا۔ اسکی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ زندگی ہر وقت سیماب پا اور متحرک رہی، شاعر ہونے کے باوجود اپنے شعر ملی کو اس غرض کیلئے اکٹھا کر کے نہیں رکھا کہ کبھی انہیں مجموعہ اور کتاب کی شکل میں شائع کرنے کا شوق بھی پیدا ہوگا۔ اس لحاظ سے میرے دوست احباب اور عزیز اس فرض کے پابند ہیں کہ اگر ان کے پاس میری کوئی غزل یا میرے کچھ اشعار محفوظ ہوں اور وہ ان دو مجموعوں میں نہ چھپے ہوں تو وہ مجھے مطلع کریں۔

اپریل سنہ ۱۹۹۰ء میں میرے بزرگ دوست جناب شوریدہ کشمیری کی شمع حیات گل ہو گئی ان کے ساتھ دیرینہ مراسم تھے اور ان کی رحلت کی اچانک خبر سُن کر جہاں ان کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا وہیں یہ احساس بھی اُبھرا کہ زندگی پر کیا بھروسہ۔ فرصت کے چند

[illegible]

کیاجاوے۔ سنہ ۱۹۶۰ء سے لیکر سنہ ۱۹۸۰ء تک کی جو بھی ڈائریاں میرے پاس موجود تھیں اپنی لائبریری کو ٹٹول ٹٹول کر انہیں نکالا۔ افسوس ہے کہ سب ڈائریاں دستیاب نہیں ہوئیں اور اپنی اور بے غرضی کا حال یہ ہے کہ چھ ماہ کی محنت کے بعد ایک عزیز جناب جوہر قدوسی کو اپنے گھر بلا کر کلام کے جمع کرنے کی رُوداد سنائی اور بڑے فخر سے جمع شدہ کلام کا مرتب کردہ مسودہ ان کے سامنے رکھا۔ دورانِ گفتگو میری لائبریری کی کتابوں میں کسی رسالے کی تلاش کے دوران ان کے ہاتھ میری ہی ایک ایسی ڈائری لگی جسے تلاشِ بسیار کے بعد بھی میں نہ پا سکا تھا اور اس طرح کوئی تیرہ غزلیں اور نو نظمیں مزید دستیاب ہوئیں۔ یہ واقعہ میری تن آسانی یا بے غرضی کی زندہ مثال ہے۔

بہر حال جو کچھ بھی میسر آسکا اسے جمع کر کے محض اس جذبے سے شائع کر رہا ہوں کہ اگر اس میں حسن و تاثیر کا کچھ حصہ موجود ہے تو وہ اللہ کے ان بندوں تک پہنچ سکے جو قلب و ضمیر کے لحاظ سے مخلص اور فکر و شعور کے اعتبار سے تشنہ لب ہوں۔ مجھے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں رہا ہے کہ میں نے زندگی کے حقائق اور مسائل پر جس انداز سے سوچا ہے وہ سب صحیح اور درست ہے۔ البتہ سوچنے اور تفکر کرنے کا ایک انداز میں نے بھی اپنایا ہے۔ جسے یہ انداز پسند آئے وہ اس سے کچھ حاصل کرنے کا حق بھی رکھتا ہے۔ البتہ جو لوگ اس انداز سے مقصدِ حیات کے متعلق نہیں سوچتے ان کے اعتراضات کا حق بھی ان سے چھینا نہیں جا سکتا۔

جہاں تک دنیائے شاعری سے میری وابستگی کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں میری اپنی یادداشت بھی یہ یقین کرنے سے قاصر ہے کہ میں کیوں اور کب اس طوفان کے سامنے کھڑا ہوا۔ البتہ اتنا ضرور یاد ہے کہ جن دنوں میں ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اپنے دوستوں کو خطوط میں اشعار کے ذریعہ اپنے احساسات سے آگاہ کرتا تھا۔ وہ اشعار کتنے پختہ اور کتنے شائستہ ہوا کرتے تھے۔ آج کچھ بھی یاد نہیں۔ تاہم یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ بچپن کے جذبات اور لڑکپن کے احساسات کتنے بھی غیر معمولی ہوں۔ پھر بھی وہ خام تر ہی ہو سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے میرے اندر ابتداء سے ہی ایک شاعر نے جنم لیا تھا۔ اگرچہ میں نے اندر کے اس شاعر

اسے استاد بنا کر نہیں رکھ دیا کہ وہ مچل جائے۔ یہ تو ضرور ہے کہ اسے شتر بے مہار کی طرح آزاد نہیں چھوڑا اور نہ اسے ضمیر اور ایمان سے بغاوت کرنے کی کبھی اجازت دی۔ ممکن ہے کہ شباب اور جوانی کے پرجوش اور جذبات خیز زمانے میں اس نے امنگوں کے بے قابو سوز و ساز اور دھڑکنوں کے شرارت آمیز زیر و بم کے ساتھ چپکے چپکے کبھی ساز باز کیا ہو لیکن میں نے کبھی بھی اسے حدیں پھلانگنے کی اجازت نہیں دی۔ اور دانستہ طور پر شعور کی پاکدامنی کسی بھی جہت کی طرف نظر اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔ پھر بھی غزل غزل ہی ہوتی ہے۔ اس کی نزاکتوں، باریکیوں اور دل آویزیوں کو برقرار رکھنے کے لئے میں نے بھی شعرائے رفتہ کے طرزِ بیان کو اپنایا ہے البتہ ایسے ابہام سے اپنے فکر و افکار کو بہت دور رکھا جو جدیدیت کے فتنوں اور ترقی پسندی کے شعبدوں کا لباس پہن کر عریاں ہونے سے خود کو بچانے کے باوجود برہنہ ہو جاتے ہیں۔

میں نے کبھی بھی کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا۔ اس لئے نہیں کہ ایسے باکمال موجود نہیں تھے بلکہ اس لحاظ سے کہ شاعری کیا تھی میری کوئی والہانہ دلچسپی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے کبھی بھی شعر کہنے کی کوشش نہیں کی بلکہ جب بھی زندگی کا کوئی واقعہ، حادثہ یا سانحہ پیش آیا اور فکر و شعور میں طوفان مچا اور اس نے اشعار کا روپ دھار لیا تو قلم اٹھایا۔ پھر جو کچھ میں نے کہا وہ میرا اپنا انداز تھا۔ اور اپنے اندر کے طوفان کے تناظر سے میں خود ہی واقف تھا۔ ظاہر ہے کہ داخلی کیفیات کو شاعر خود ہی محسوس کر سکتا ہے اور اسے محسوس کرنا بھی چاہیئے۔ پھر جو چیز اسے کسی استاد کے پاس لے جاتی ہے وہ زیادہ تر فنکارانہ تراش خراش کی چاہت ہوتی ہے اور یہ چاہت میرے اندر کبھی بھی پیدا نہیں ہوتی۔ سینکڑوں مواقعہ دستیاب ہونے کے باوجود میں نے شاذ ہی کسی مشاعرے میں شرکت کی ہو۔ اسے میری مجبوری ہی سمجھ لیجئے کہ میں نے کبھی بھی ریڈیو اور ٹی وی کے دروازے پر حاضر ہونے اور کلام بیچ کمانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس لحاظ سے نہیں کہ نشریاتی اداروں کے ذریعہ اپنی بات عام کرنا حرام تھا بلکہ اس وجہ سے کہ وہاں انسان وہ بات کھل کر نہیں کہہ سکتا جو وہ کہنا چاہتا ہے، بلکہ اس سے وہ بات کہلوائی جاتی ہے، جس کے ساتھ خود اس کا ضمیر وابستہ نہیں ہوتا۔ بہرحال یہ اپنی اپنی پسند کا معاملہ ہے۔

زبان کے ماہر اور اردو شاعری کی فنی مہارت رکھنے والے اساتذہ دستیاب ہیں یہ حق
نہیں۔ میرے اشعار میں جہاں بھی وہ فنی نقص پائیں گے انہیں اسکی اصلاح کرنے سے کوئی
نہیں روک سکتا۔ مجھے اس سلسلہ میں کوئی بھی دعویٰ نہیں کہ الفاظ، استعارات، تشبیہات
محاوروں اور ردیف، قافیہ کے استعمال کا جو اسلوب میں نے اختیار کیا ہے۔ وہ خامیوں، غلطیوں
بلکہ فاش غلطیوں سے پاک ہوگا۔ میرا فن مطالعاتی ہے۔ اردو فارسی شاعروں کے کلام کو
پڑھا ہے اور اسی لب و لہجے کو برتا بھی ہے۔ کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، اساتذہ فن ہی
فیصلہ کر سکتے ہیں۔ البتہ میں ان حضرات کا ضرور مشکور رہوں گا جو میری فنی غلطیوں سے
مجھے آگاہ کریں گے۔ کیونکہ انسان زندگی بھر سیکھتا ہے اور میں شاید پہلا شخص ہوں کہ جس
نے کسی استاد کو دکھائے بغیر اور اپنی فنی غلطیوں کو چھپانے یا دور کرنے کی روایت سے ہٹ
کر اپنا کلام اہل فن کے سامنے اصلاح کیلئے رکھ دیا ہے۔ حصول تعلیم کے دوران انگریزی شاعری
بھی میرا مضمون رہا ہے اور اس سے بھی کسی حد تک استفادہ کر سکا ہوں۔

قارئین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میری زندگی کا اکثر حصہ صحافت کے میدان میں
گذرا ہے اور آج بھی میں اسی پیشے سے تعلق رکھتا ہوں۔ شعر جب بھی میں نے کہے ہیں
تو ان پر میرا اختیار نہیں تھا۔ البتہ اظہار کے اس نازک ترین ذریعہ کو زندگی کی تعمیر کے لئے
وقف کرنے کا داعیہ مجھ میں ہمیشہ سے رہا ہے۔ میرے قلم کی تمام تر اختیاری کاوشیں میرے
صحافیانہ مقاصد کے ساتھ وابستہ رہی ہیں۔ میں نے ایک لمبی مدت تک ریاست کے ایک
مشہور و معروف روزنامے کی ادارت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ چیف ایڈیٹر ہونے کے ناطے
میں اپنے کلام کو بڑی حد تک شہرت دے سکتا تھا۔ لیکن تشہیر کے اس دروازے کو میں نے
اپنے لئے ہمیشہ حرام سمجھا۔ البتہ کبھی کبھار جس طرح میں دوسرے شعراء کے کلام کو شائع کراتا
تھا۔ اپنی کسی خاص غزل یا نظم کو چھاپنے کی اجازت دیتا تھا۔ اسی طرح دوسرے
اخبارات و جرائد کو بھی میں نے کسی خاص موقعہ پر ہی اپنا کلام شائع کرنے کیلئے بھیجا ہے۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ انسان خاموش رہ کر پختہ خیال پختہ فکر اور پختہ عزم بننے
کی کوشش کرے تو یہی اسکی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس طرح کے انسان کو ایک نہ ایک

دن دُنیا پہچان لیتی ہے اور اس نے جو خاموش کردار ادا کیا ہوا سے تسلیم بھی کر لیتی ہے اور دیر آید درست آید کا محاورہ شاید ان ہی لوگوں کیلئے وجود میں آیا ہے۔ ایسے لوگ ضائع نہیں جاتے۔ ان کو مٹانے، کمزور کرنے، پردے سے ہٹانے، مسخ کرنے دبانے اور پیچھے رکھنے کی کتنی بھی سازشیں کی جائیں وہ آخر ناکام ہو جاتی ہیں اور جو لوگ چاپلوس قسم کے ہوتے ہیں مصنوعی رکھ رکھاؤ کا غازہ چڑھا کر زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتے۔

تجربات سے بھری اس سرگرم زندگی میں ہم نے بہت سے ایسے نادانوں کو دیکھا ہے جو سستی شہرت کیلئے کبھی عالم، کبھی شاعر، کبھی ادیب، کبھی مفکر، کبھی صحافی اور کبھی مورخ کا روپ دھار کر اکادمیوں، نشریاتی اداروں، لیڈروں اور دوسرے مرکزوں سے زر اور شہرت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن ایسے لوگ آخر کار ذلت اور رسوائی کے گہرے کنووں میں ڈوب کر ہمیشہ کیلئے فنا ہو جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی بھی علمی، فکری اور فنی جوہر موجود نہیں ہوتا۔ دور نو کے شاعروں اور ادیبوں سے میرا مخلصانہ مشورہ یہی ہوگا کہ وہ اپنی تشہیر کے بجائے اپنی خوبیوں کو بڑھانے پر زور دیں اور شعر و ادب کے اس انقلابی اور تعمیری میدان میں قدم رکھیں جو ترقی پسندی کے گمراہ کرنے والے مفروضوں یا جدیدیت کی خود فریب کمزوریوں سے دور انسانیت کو نکھارنے، انسان کو سنبھالنے اور مخلوق اور اشرف المخلوق کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے کیلئے وجود میں آیا ہے۔

شاعری کا عرفان خداداد ہوتا ہے اور جس شخص کے مزاج میں یہ پایا جائے اسے ہی شعر کہنا چاہیئے۔ اس کے برعکس جو لوگ شاعر بننے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں وہ زندگی کے قیمتی لمحات کا نقصان کرتے ہیں۔ کوشش اور کاوش سے انسان ادیب، صحافی اور قلم کار تو بن سکتا ہے لیکن ایک کامیاب شاعر نہیں بن سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ ایک وہبی ملکہ ہے جو خدا کی طرف سے تخلیق کے ساتھ ہی کسی کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ شعر کہنے کی مشق اور علم و ادب کا مطالعہ اس فطری اور قدرتی وصف میں پختگی اور نکھار پیدا کرتا ہے جو لوگ شاعر بننے اور شاعر کہلانے کی دوڑ دھوپ میں لگے رہتے ہیں۔ وہ لوگ قصیدہ گو اور ہر چڑھتے سورج کے پجاری بن جاتے ہیں۔ سنجیدہ فکر رکھنے والے پیدائشی شعراء

پرستش کے اس نفع بخش دربار میں بہت کم جاتے ہیں۔
آخر پر میں اپنے ان تمام بزرگوں، دوستوں، عزیزوں اور رفیقوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی تربیت، رفاقت اور محبت سے مجھے اپنی شعوری کاوشوں کے اظہار کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ میں تکبیر پبلیکیشنز کا مشکور رہوں کہ اس نے مجھ بے مایہ کے شعری افکار کو مدون اور شائع کرنے کا عزم کیا۔ اللہ تعالیٰ میرے منظوم احساسات میں مضمر جذبۂ تعمیر کو قبول فرما کر سیات سے درگزر فرمائے۔ آمین

عاشق کاشمیری۔
سرینگر

لا الٰہ الا اللہ

لا الٰہ کیا ہے دلِ مومن کا پوشیدہ حجاب
لا الٰہ کیا ہے وجودِ مہر و ماہ میں اضطراب
لا الٰہ کی ضرب سے ٹوٹے بتانِ خاص و عام
لا الٰہ نے ہی کیا ہر خشک و تر کا احتساب
لا الٰہ کا نام ہے پاکیزہ ایمان و ضمیر
لا الٰہ سوزِ جگر نورِ نظر ردِّ عذاب
لا الٰہ ہے فکرِ انسانی کا ملکوتی جواب
لا الٰہ نبضِ دو عالم لا الٰہ روحِ حیات
لا الٰہ جذبات و احساسات کی زندہ کتاب
لا الٰہ ہے نغمۂ بزمِ جہادِ دو جہاں
لا الٰہ سے ہے شہیدوں کے دلوں کا پیچ و تاب
لا الٰہ ہی سے ہے قائم یہ وجودِ کائنات
لا الٰہ نے ہی دیا غیروں سے درسِ اجتناب
لا الٰہ کیا ہے بغاوت ہو بتانِ عصر سے
لا الٰہ کیا ہے نظامِ زندگی میں انقلاب

سلام

اے امامِ حلقۂ احرار اللہ کی قسم
قیدِ غیر اللہ ہے آٹھوں پہر میرے لئے

روحِ امت میں نہیں باقی وہ جوشِ انقلاب
آفتابِ عشق ڈوبا ہے کدھر میرے لئے

پنجۂ زن ہے دیوِ استبداد ہر اک موڑ پہ
قوتِ ایماں ہے لیکن چشمِ تر میرے لئے

کس لئے عنواں سے خالی ہے کتابِ اضطراب
زندگی ہے یا وجودِ بے ثمر میرے لئے

اے زعیمِ ملتِ بیضا کہوں تو کیا کہوں
ہے مداوا روس کا ہی نکتہ ور میرے لئے

تیری امت میں رہوں یہ بھی گوارا ہے نہیں
آپ کی یادیں بنی ہیں دردِ سر میرے لئے

جب سے میں تری وفا سے بے تعلق ہو گیا
دانشِ مغرب بنی ہے معتبر میرے لئے

لے لئے تہذیب کے اوراق میں نے غیر سے
اور تیری شان شرحِ مختصر میرے لئے

خونِ ملت سے صلیبی ہاتھ ہیں رنگین آج
پھر بھی کیا عبرت ہے یہ زیر و زبر میرے لئے؟

با ادب ہوں اپنی شوریدہ سری کے باوجود
آپ کی ہر یاد ہے دردِ جگر میرے لئے

عرض داشت

ہے کمر بستہ یہ مسلم سعیِ باطل کے لئے
بو العجب مقتول خود بنتا ہے قاتل کے لئے

دیکھ کر اِس مزرعۂ نوخیز کی انگڑائیاں
سوچتا ہوں کیسا سرمایہ ہے جاہل کے لئے

قہر کے ساگر میں بہتا ہوں نہیں کوئی مقام
خام اُمیدیں ترس جاتی ہیں ساحل کے لئے

پہلے تو ان کو کھلا جن کو نہ ہوگا نانِ شام
پھر کہا کر بھکاری کیا میں نے سائل کے لئے

دشت و دریا چیز کیا تیری رسائی تا فلک
تو ہی حل ہے زندگانی کے مسائل کے لئے

بنتِ تہذیبِ نو

کھو گیا تھا میں کتی افکار میں اک روز جب
راستے میں ہو گئی وہ نازنیں مجھ سے دوچار
کھا رہی تھیں مجھکو اپنی زندگی کی تلخیاں
اس پری رو نے مجھے چھیڑا مگر دیوانہ وار
ڈال کر باہوں میں باہیں لب کُش ایسے ہوتی
جیسے بہروپی کو چمٹے ناگ خود بے اختیار
میں لگا کہنے کہ اے تہذیب کی پوتی یہ کیا
کہدیا ہے حسن کی دُنیا میں یہ جائز قرار
میں پسینے ہو رہا تھا شرم کے مارے مگر
سادگی پہ میری آتا تھا تبسم بار بار
دور جا اے دورِ حاضر کی پری میں نے کہا
اس نے چوما میرے ماتھے کو یہ اندازِ نگار
کس لئے بے چین ہوا اے گلبدن سیمیں تن
حسن تو دُنیا میں ہے مال و متاعِ افتخار
مانتی ہوں حسن کی مالک ہوں اے جانِ غیور
پر میرے جذبات دُنیا میں ہیں اب حد سے فرار

کون سی غلطی ہے تجھکو راہ میں چوما اگر

تھیٹروں میں روز و شب ہوتے ہیں اس کے اشتہار

میں نے اس سے دور ہٹ کر کہدیا عریاں بدن

تھیٹروں میں ہے کہاں تہذیب کہنہ کا حصار

وہ لگی کہنے کہ اے مجنوں تو رہتا ہے کہاں

کیا ہمارے رہنما تک ہیں نہ تھیٹر کے شکار

مرد ہو کے بھی چھپاتا ہے تو کیوں کمزوریاں

کیا غلط پرچا کی جب راجا بھی ہو یاں داغدار

عجب دُنیا

عجب دُنیا میں اب سارا عجب کردار ہوتا ہے
یہاں روتا ہے حق باطل سے لیکن پیار ہوتا ہے

یہاں طاغوت کے پرچم کو رنگتے ہیں لہو دے کر
صداقت کی کہانی سُننے سے انکار ہوتا ہے

غلط رو کو یہاں آئین میں ترجیح ملتی ہے
غلط بینی کی نظر سب کا طریق کار ہوتا ہے

یہاں دیر و حرم شیخ و برہمن کی نہیں سُنتے
یہاں پیرِ مغاں ہی ہر کہیں مختار ہوتا ہے

مغنّی کو رعایا اُس نگر کی بُت سمجھتی ہے
اسی کا فتنہ ہر اِک شخص کا غمخوار ہوتا ہے

ترستی ہیں یہاں روحیں تڑپتی ہیں یہاں جانیں
یہاں غربت کی آہوں کا نہیں دِلدار ہوتا ہے

جفا کرنا یہاں دستور کے قاضی کی عادت ہے
وفا کرتے ہیں جس سے وہ بہت بیزار ہوتا ہے

یہاں وہ بھی ہیں جو سوتے ہیں فرشِ خاک پر راتوں
بہت وہ بھی ہیں جن کا بستر تہ دار ہوتا ہے

مسلماں اُٹھ کہ اب جمہور کو جمہورِ حق کر دے
اگر آیا بخبر ہو گئی و گلزار ہوتا ہے

تہمت

نظر میری سلامت تم ہے مجھ کو
یہ سب تہذیب کا ماتم ہے مجھ کو
دلِ صد چاک تیری بے نیازی
تقاضوں کا نیا البم ہے مجھ کو
کسی کو چین سے سونے نہ دوں گا
تخیل جوہر و ایٹم ہے مجھ کو
گئے اخلاق، ہے تہذیب حاضر
محبِ نادل سے ہی انکم ہے مجھ کو
کسی مظلوم کو مت جبا گنے دو
پسند چنگیزیت کا دم ہے مجھ کو
مری مستی ہے حیوانوں سے آگے
سراسر تہمتِ آدم ہے مجھ کو
رکھا ہے کیا تیری دنیا میں دیکھوں
درونِ دل ہی اک عالم ہے مجھ کو

توڑوں گا

اُٹھا ہوں غیر کی ساری خداوندی کو توڑوں گا
بہت حد ہو چکی باطِل کی پابندی کو توڑوں گا

مجھے آزاد فطرت ازل سے ہی کر دیا اُس نے
غلامی کے سبھی رشتوں کی پیوندی کو توڑوں گا

سکھایا ہے مجھے رب نے کہ میں ہوں مردِ آفاقی
سمرقندی، بخاری، عربی و ہندی کو توڑوں گا

سُروں کو بندگی کے ساز سے اب ربط دینا ہے
میں میراثی وہم اور شانِ فرزندی کو توڑوں گا

کہاں تک میرے استِغنا تے دِل پہ ہو سکوں طاری
لہو دینا ہے راہِ حق میں پابندی کو توڑوں گا

اگر فیضانِ قدرت کو پسند ہو میری بے تابی
بنوں بجلی قفس کی ہر نظر بندی کو توڑوں گا

صنم زاروں میں پھر سے کبریائی شاں پیدا ہو
میں غیر اللہ کی ہر ہر خداوندی کو توڑوں گا

حیا سوزی کو اُمت نے قبولِ عام کر ڈالا
یہی ہے وقت روماں کی حنا بندی کو توڑوں گا

ساقی

اگر بے باک ہو گفتار ساقی
نہ گزرے میکدے پر بار ساقی

یہ دیکھو رو رہا ہے دورِ حاضر
تجھے مانا تھا جو اوتار ساقی

ہماری بیبیوں نے رقص سیکھے
گھروں کو بن گئے اب غار ساقی

تمدن کو نکھارا شیطنت سے
حیا کو کر دیا مسمار ساقی

بہت ہے مہرباں تو نوجواں پر
پلاتے ہو اسے ادھار ساقی

جواں تھا خود ہی بے حس بے تقاضا
کیے تو نے بھی اس پر وار ساقی

یہ دیکھو کوئی عاشق آ رہا ہے
چڑھائے گا تجھے بر دار ساقی

بھائی جان

آبادیوں سے آگے جانا ہے دشت و بن میں
کلمے کی سربلندی کرنے چمن چمن میں

پھر لا الہٰ کے چرچے ہوں گے زباں زباں پر
کب تک رکھیگی دُنیا فانی بتوں کو من میں

آنکھوں سے دیکھ دل میں محسوس کر خدارا
کیا مشورے ہیں ہر دم غیروں کی انجمن میں

دُنیا کی وارداتیں لوٹو لٹاؤ کھاؤ
یہ فلسفہ بنا ہے انسان کے ذہن میں

ہر موڑ پہ خطر ہے ہر راہ شعلہ زن ہے
ہو ولولہ نمایاں اندازِ گامزن میں

چرچا ہوا ہے پھر سے مغرب کے عارفوں میں
تحریف ہو نہ پائے مشرق کے فکر و فن میں

اے زاہدِ یگانہ دُنیا کے بتکدوں نے
لات و منات لاتے ہیں تیری انجمن میں

الوداعؑ

اسلامی درس گاہوں کے ہزاروں طلبہ کے ایک مخصوص اجتماع میں یہ نظم پڑھی گئی یہ جلسہ ان بچوں کو الوداع کرنے کے لئے بلایا گیا تھا جنہیں درسگاہ کے پاکیزہ ماحول سے فارغ ہو کر اب مدرسوں میں حصول تعلیم کے لئے جانا تھا

الوداع اے ملتِ اسلام کے طلباء دین
دیکھتی ہے آپ کو یہ دیدہ نظارہ بین
درسگاہ تھی گوشۂ فردوس تمہارے لئے
مدرسہ تھا دین کی آغوش تمہارے لئے
کالجوں کی زندگانی راس آئے آپ کو
دہریت کا ایک سایہ بھی نہ کھائے آپ کو
پردۂ ظلمات ہے تعلیم نو کا یہ نظام
رات دن ہوتا ہے باطل نظریوں کا اہتمام
اُڑتے ہیں اپنے جگر کے لختے تجھکو دیکھ کر
کاش نکلو بن کے کالج سے سبھی شمس و قمر
آتشیں کورڑے ہیں لکچر خود سنبھلنا چاہیئے
نشگیں وجبیں ہیں کچھ مت مچلنا چاہیئے

۱۹۶۹ ء

گرچہ ہے رنگینیٔ گفتار کی اونچی لتاڑ
کب کی نکلی ہے یہاں کردارِ صالح کی برات
آپ جاتے ہیں تو جاناہے سکھانے کیلئے
اپنے دس سالہ عزائم کو دکھانے کے لئے
ہے نگاہِ عشق اس بازار و گھر کی بدتماشں
ہے کلامِ حسن اس بستی کا سب اعمال خراش
بے حیائی کا تقدس ہے یہاں چھایا ہوا
عفت و عصمت کا سوداگر ہے اپنایا ہوا
اس نگر میں تاش کلب و رقص ہیں دن کا عمل
فحش لٹریچر کا اس وادی میں ہے اکثر دخل
فلم و تھیٹر کی یہاں ہوتی ہے پوجا ہر گھڑی
زلف و کاجل سے یہاں ہوتی ہے اکثر دلبری
کارواں لٹتا گیا احساس تک باقی نہیں
ملتِ خوابیدہ کی آنکھوں میں غمناکی نہیں
مشرقی تہذیب سے رخصت ہوئی وصفِ حجاز
مغربی تہذیب پر غالب ہوا فکرِ مجاز
اس طرف سنسان ہے اس رنگ و بو تنے راہیں
اس طرف ویرانہ سا ہے خطۂ گلنار میں
آہ ایران و حجاز و مصر و افغاں و عراق
ہر کسی بستی میں ہے جنگ و جدل کا طمطراق
گم حوادث نے کیا ہے اطمینانِ زندگی

زندگی ہے بے خبر اِس سے کہ کیا ہے بندگی
دِل کو تڑپاتی ہیں حسنِ تازہ کی انگڑائیاں
خوئے عصمت کے لئے کتنی ہیں اب رسوائیاں
ہیں کڑکتی بجلیاں چاروں طرف الحاد کی
بلبلوں پر ہیں نگاہیں بے رحم صیاد کی
خاکۂ گیتی پہ تصویرِ وفاداری نہیں
دامنِ توحید پر اب خون کی گلکاری نہیں
اِک طرف سرمایہ داروں کی بسی ہے کائنات
اک طرف غربت کے غمخواروں کو ہے فاقے کی رات
اِک طرف کاروں کے چکر موٹروں کا شور و زور
اک طرف محتاج لنگڑوں، لولوں کا چیخ و شور
اک طرف منعم کے بنگلے گاڑیاں بنک بیلنس
ایک طرف محروم کو بے مانگی کا لائسنس!
اِک طرف ہے اشتراکی دیو بالکل خونخوار
اِک طرف کمزور کی دُنیا بنی ہے مرگ زار
اک طرف کتّوں کو ملتے ہیں عطرِ سرمایہ دار
اک طرف انسان کو ہی نوچتے ہیں سود خوار
ہم نے پالا آپ کو پیار و متاعِ شوق سے
تربیت کی ہے تمہاری کس زبانِ شوق سے
نظر باقی ہے بھی وافر ہے یہاں تیرے لئے
شعلہ گفتاری کے چرچے ہیں عیاں تیرے لئے

مارکس، لینن کی تعلیمات بھی ہوں گی وہاں
ماو اسٹالن کے ارشادات بھی ہوں گے وہاں
ڈاروں کا نظریہ بھی تجھ کو سکھلائیں گے وہ
اشتراکی فلسفہ بھی تجھ کو پڑھوائیں گے وہ
بس اگر ہوگی کمی پیغمبرِ اسلام کی
گرچہ تھی عادت یہاں تیری یہ صبح و شام کی
اجنبی ماحول ہوگا اور ہوں گے تم وہاں
جانتا ہوں اجنبی ماحول ہے کتنا گراں
گرم رکھنا ہر قدم پر سینۂ اُلفت کی آگ
تاکہ مل جائے تجھے باطل کی سازش کا سُراغ
ہر جگہ کمزور تر ہے آج وہ دینِ مبین
خاکداں سارا کبھی تھا جس کی خدمت میں نگین
ہو جوانوں میں دوبارہ پھر تمنّایانِ انقلاب
مٹ رہی ہے صفحۂ ہستی سے ملت بے حساب

محمد بن قاسم

مارچ ۶۴ء

اک نظر کر ہم پہ اے ماضی کی رنگین یادگار
آکہ پیشانی کو تیری چوم لیں دیوانہ وار
مرتعش ہونے کو ہے جذبات کا بحرِ زخار
پھر لہو میں آتش جوالہ ہے بے اختیار
میں تمہاری داستاں کی داد دیتا ہوں مگر
اپنی ہستی سے ہوا ہوں ایک مدت سے فرار
وہ شتربانوں کی اولالعزم تعبیرِ حیات
آج کی تہذیبِ نو کو کوستی ہے بار بار
گود میں تیری پلے ہیں غازیانِ صف شکن
تیری فطرت نے دیا اُن کی اُمنگوں کو قرار
اُن کی راہوں میں نہ تھا اندیشۂ موت وحیات
تھی اجل ہر لالۂ صحرا کا ذوقِ افتخار
کانپتی ہیں کیوں رموزِ نبض کی انگڑائیاں
پھاڑتا ہوں دیکھ کر ماضی کو اپنے تار تار
تیرے قلزم میں اُترنے والوں کو میرا سلام
تیرے دجلے میں جو کودے خوب تھے وہ دیندار

لاتخف

لاتخف ہے سیکھ ملکوتی تمدن کا مزاج
ساغرِ جمشید ہے تیرے تخیل کا خمار
ماہ و انجم تیری دلجوئی کی خاطر ہیں خموش
اخگرِ خورشید کی سوزش بھی ہے تجھ پر نثار
کب ملک رنجوری ملت کو ہم دیں گے فروغ
روند دے اس دخترِ باطل کو اب دیوانہ وار
جنگِ عالم میں تڑپ کر جان دینا ٹھیک کب
حق پرستی ہے خراباتِ دہر کر زیر بار
الارمن تیری اتر ے جذبات کی ہے دادخواہ
پھر سے آتی ہے زمینوں سے خلافت کی پکار
خانداں ہے آج جمہوری تماشا چارسو
مردِ مومن ہے تو جمہوری حقیقت کو نکھار
نعرۂ شبیرؓ بھی ہے کربلا کا رن بھی ہے
بوڑھ کے سائے میں بھی ہیں تین سو تیرہ نثار
تانہ بالفیں سے زبان بندی مری ہو جائے کب
جراتِ عاشق ہو حاصل سو بھی بنتے ہیں ہزار

کرفیو

•

ابھی رونق تھی ہر اک انجمن میں
ابھی چرچا تھا ہر بزمِ سخن میں
ابھی تھا شور کوچے میں گلی میں
ابھی تھیں رونقیں گھر میں صحن میں
خموشی کا ڈھنڈورا ہو رہا ہے
نگر میں آج کرفیو ہو رہا ہے

•

ابھی مسجد میں تھی قرآن خوانی
ابھی مندر میں تھی بھگوت ترانی
ابھی ہی گردواروں میں بھی ہم نے
سُنی وحدت بھری شیریں بیانی
کلیسا بھی یہاں کا سو رہا ہے
نگر میں آج کرفیو ہو رہا ہے

•

سینما میں ابھی تھی بُت پرستی
جوانوں پر عجب چھاتی تھی مستی
ابھی پردے پہ پائل کے سروں سے
جوانوں کی اُمنگیں تھیں ترستی
درِ سینما مُقفّل ہو رہا ہے
نگر میں آج کرفیو ہو رہا ہے

•

ابھی تھا میکدوں میں شور و غوغا
خدا بیزار انسانوں کا چرچا
ابھی تھی میکشوں میں گفتگو یہ
شرافت کس طرح ہوتی ہے رُسوا
نشاطِ بزم مطرب کھو رہا ہے
نگر میں آج کرفیو ہو رہا ہے

•

ابھی تھا مدرسوں میں بھی چہکنا
ابھی تھا کالجوں میں فکر و سودا
ابھی نوخیز بچوں کی شرارت
بڑی معصوم لگتی تھی ہر اک جا
جسے تھا جاگنا وہ سو رہا ہے
نگر میں آج کرفیو ہو رہا ہے

•

یہاں حاکم کی مکاری حسین ہے
مگر محکوم بھی کب نکتہ چین ہے
یہاں جمہوریت کی آڑ لیکر
دلِ جمہور میں روح حزیں ہے
یہاں کرفیو کا لگنا ہی سہی ہے
غلامی کا تقاضا بھی یہی ہے

جہاں لاکھوں صنم کی ہو خدائی
وہاں کب ہو حقیقی کبریائی
جہاں مشکل کشا ہو خانقاہی
وہاں مشکل ہے پھر مشکل کشائی
یہاں کرفیو کا لگنا ہی سہی ہے
غلامی کا تقاضا بھی یہی ہے

•

جہاں انسان چہرے میں ہو ڈاکو
جہاں آدم نہ بستا ہو ہلاکو
جہاں انسانیت کا نام لیوا
بنا بیٹھا ہو فطرت میں لڑاکو
یہاں کرفیو کا لگنا ہی سہی ہے
غلامی کا تقاضا بھی یہی ہے

ع ۱ ۱۹۶۵ء

ایک غیر کے نام

مجھکو سکھلاتی ہے قرآن نے تمہاری دلبری
تیرے آرام و مصیبت میں تری خاطر مروں
گرچہ ہے تجھ میں تعصب کا تلاطم غم نہیں
ہو تجھے میری عداوت میں تری خاطر مروں
تجھ کو کردوں بندگی کے راز سے میں آشنا
ہے یہی میری عقیدت میں تری خاطر مروں
تو ستادے یا رُلادے ہے یہ تمہاری وفا
میں تیری کرلوں گا خدمت میں تری خاطر مروں
منتظر میرا سکون روح و جاں تیرے لئے
تجھ میں پھونکوں گا حلاوت میں تری خاطر مروں
میں تعصب کی ہواؤں سے نہیں ہوں دَاغدار
ہے مرے دِل میں یہ وُسعت میں تری خاطر مروں

ہوئے پیدا نبی صاحب ہمارے

نمایاں شرک تھا صحرا و بن میں عیاں تھا کفر ہر اِک انجمن میں
اخوت رو رہی تھی زندگی پر محبت خانماں تھی ہر چمن میں
دیئے کس نے منازل کو کنارے
ہوئے پیدا نبی صاحب ہمارے

سبھی تھے اپنے اپنے دھن کی خاطر جیا کرتے تھے اپنے من کی خاطر
نہ کوئی ہمنوا تھا مہرباں تھا مرا کرتے تھے اپنے فن کی خاطر
وہ دیکھو متحد ہوتے ہیں سارے
ہوئے پیدا نبی صاحب ہمارے

بتوں پہ جاں دینا ان کا ایمان تمدن ان کا تھا تہذیبِ شیطان
الگ تھا فکر کا معبود ان کو خدا تھا ذکر دمے نوشی کا یزداں
بنے باطل وہم کے سب شرارے
ہوئے پیدا نبی صاحب ہمارے

نیاز عشق تھا سب کا فرانہ تھا ناز حسن لیکن سامرانہ
حیاداری کے رشتے کٹ چکے تھے لگن کی ہر ادا تھی فاسقانہ
مٹائے کس نے الحادی نظارے
ہوئے پیدا نبی صاحب ہمارے

غلاموں پر ہزاروں غم پڑے تھے
بچارے بے جگر بے دم پڑے تھے
انگاروں پہ بھنا کرتے تھے ان کو
نظر کیا دِل بھی اُن کے نم پڑے تھے
یہ سارے کِس نے پہنچائے کنارے
ہوئے پیدا نبی صاحب ہمارے

کس کے لئے؟

دُنیا کا یہ اندازِ دگر کس کے لئے ہے
انساں کے سوا خوف و خطر کس کے لئے ہے

دُنیا میں اگر آدمی ہے مفلس و لاچار
پھر یہ کہو تسخیر قمر کس کے لئے ہے

جب اپنی نگاہ سوزِ دروں سے ہی ہو خالی
یہ لطف و کرم شوقِ نظر کس کے لئے ہے

جو دے نہ سکے حضرتِ انساں کو تعقل
وہ کسب و کمالات و ہنر کس کے لئے ہے

جب شام رفاقت میں مرا ساتھ نہ دو گے
پھر اے صبا پیغام سحر کس کے لئے ہے

دُنیا پہ دگرگوں ہے زمانے کا تقاضا
آخر یہ جنگل بر و بحر کس کے لئے ہے

مانوس غمِ دوستی میں شرط ہی ہے کیا
مغموم مگر جوششِ جگر کس کے لئے ہے

اے سختیِ دوراں یہ مجھی پر ہے غضب کیوں
کچھ یہ بھی بتا تیرا مہر کس کے لئے ہے

کچھ صاف کہو اپنے عزائم کا فسانہ
الحاد ترے پاس خنجر کس کے لئے ہے

ہم ایک اک سختی کی قدر کرتے رہیں گے
آخر مرا یہ دل یہ جگر کس کے لئے ہے

طنز

آج کل کیوں گر رہی ہے حسن و زیبائش کی ریٹ
میں سمجھتا ہوں کہ اس میں پھنس گیا ہے کالجیٹ

کوئی متوالا نظر گستاخ برقعہ لے اُڑا
یا حیا واپس اگر برسی ہوا ٹِٹ فار ٹیٹ

حضرت لیڈر نے ہرا ہے بہ وقت انتخاب
واہ بے چارا سیاست میں نہیں تھا اپ ٹو ڈیٹ

ایک وہ ہے جس کی قسمت میں نہیں باسی غذا
دوسرے کے ناشتے میں دیکھ بسکٹ آملیٹ

ہو گئے تہذیب کے معمار سب ہم سے جُدا
بس خطاکاروں گنہ گاروں کی ہے باقی سٹیٹ

نوجوانوں کو دبوچا ہے فلم کے شوق نے
اپنے نو آموز کا کعبہ ہے بس ٹاکی کا گیٹ

کیا کروں منظر کشی میں حکمران ٹولے کی آج
دِل ہے پتھر، ذہن رف اور موٹے موٹے انکے پیٹ

خیال

ناخدا نے آزمایا ساحلِ دریا پہ ہی
غوطہ زن کو موجِ دریا سے نہیں خوف و خطر
جس طرح تجھ سے ہو کر لینا مقید یہ جنون
ہر زمانے میں یہ تھا میں ہی کہ جیتا بحر و بر
علم و معلومات کی تقویم سے کیا فائدہ
جب نہ نبضِ زندگی کا سوزِ دل ہو معتبر
میں سمجھتا ہوں کہ سرخیلِ تمدن ہے وہی
جس نے اپنائی نہ اپنا کر بھی تہذیبِ دگر
درد کی تاثیر چکھ لینا ہے بے تابوں کا کام
عشق کا ناسور ہے مرضِ محبت کا نگر
میں نے دیکھے ہیں ہزاروں فلسفی تاریخ میں
عقل نے ان نکتہ دانوں کو بنایا فتنہ گر

دورِ حاضر

ہر طرف تقدیرِ اُمت سینہ گریاں کس لئے
درہم و دینار سے ہے دِل کا درماں کس لئے

پھر تعصب کے شرر پھوٹے ہیں کچھ دیوانہ وار
صفحۂ انسانیت بننے نہ پائے مرگ زار

آدمی کو آدمی سے نفرتِ دیرینہ کیوں
بھول ڈالا ہے یہ آدم قصۂ پارینہ کیوں

ہوش ہیں باقی مگر الحاد کے آگے نگین
جھک رہی ہے غیر کے آگے یہ باغیرت جبیں

کر نہ غم اے ناخدائے کشتیٔ تہذیبِ نو
سعی کے پردے میں پل رہتے ہیں کچھ تخریبِ نو

امن کیا دُنیائے انفس کا نہیں ہے چارہ ساز
جنگ کا ہر شعلہ بھاتا ہے مجھے ظلمت طراز

واہ وہ ملی اخوت عود کر آتی نہیں
ملتِ بیضا لٹی جاگیر اب پاتی نہیں

وصف سے خالی ہوئی ہے اُمتِ عالی مقام
ذلتِ امروز کا کرتی ہے خود ہی اہتمام

فلسفوں کی زد میں آیا ہے وہی روشن ضمیر
جس کے فیضان سے دو عالم اس کے تھے دامن گیر
مغربی الہام نے لی کی نقش بندی اسقدر
وحی مشرق پر برس پڑتے ہیں سارے نکتہ ور
اصل دیں سے کر چکی ہے آج امت اجتناب
سینہ چاکاں روح عثمان ویدہ گریاں بوتراب
دیکھتی ہے آنکھ انسان کے نئے حالات کو
پوجتا ہے کس طرح ناداں فقط آلات کو
عشق کی تمہید ماتم کر رہی ہے آج کل
حسن کی تجدید خود غم کر رہی ہے آج کل
الاماں اے مستیٔ دورِ جنوں کے پاسباں
تو نے کچھ سوچا کہ اب تو ہے کہاں اور ہیں کہاں
رہ نوردان نشاطِ شوق ہیں مخمور آج
عفتِ انسانیت انسان سے ہے دور آج
پیر، حاجی، مولوی، واعظ بنے ہیں سود خوار
روح صدیق رض و عمر رض کیوں نہ ہو جائے بیقرار
بیٹیاں نور البصر تھیں بن گئی نار البصر
خانہ زادوں نے بھی اپنائی ہے آوارہ نظر
اپنے آبا کی متاع بے بہا چھوٹی ہے آج
کشتیٔ توحید آدم کس قدر ٹوٹی ہے آج

آج ہر جانب فقط تیری غلامی کے نشان
خوف ہے مجھکو کہ مٹ جائے نہ میری داستان
سوز تھا تیرا زمانے میں ندائے آخری
اصل پر بدلے نقل کے، کی نگاہِ سرسری
کوہکن کو مات کر ڈالا تھا تیرے شوق نے
قیس و تبیل کو ہرایا تھا تمہارے ذوق نے

رمز

اے جلوتِ حیات تجھے حوصلہ نہیں
سُرخے پکارتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں

دُنیا اداس میری اخوت سے ہو چکی
مجھ بدمزاج کو بھی غمِ انتہا نہیں

کِس کے حسن وناز پہ مرتے ہیں نوجواں
چہرے سے کیا ہوا جو دِل پارسا نہیں

گُل ہو چکی ہے شمعِ وفائے جہانِ نو
بستروں پہ منقش یہاں رنگِ حیا نہیں

حق مانگ لیا، سختیِ دار و رسن مِلی
افسوس تیری بزم میں خوئے وفا نہیں

ہنگامہ بپا ہے دبی آہوں کے عزم کا
یہ دَرد کسی قلم کی کوئی ادا نہیں

معراج

آسماں نازاں ہے امشب کس لئے معراج ہے
یہ زمین تاباں ہے امشب کس لئے معراج ہے
قدسیاں ہیں منتظر روح الامین ہے بیقرار
ذرے ذرے کو ملے گی آج شان افتخار
ظلمتِ دیرینہ سے پھوٹے گی اک صبحِ اُمید
ہر بشر کو بندگی کی ملنے والی ہے نوید !
منجمد تھا سینۂ توحید کی رگ رگ کا خون
آج کی شب پھونک دے گی حق پرستی کا جنوں
آدمی سیکھے گا امشب بندگی کا وہ مقام
جس کے ہر نکتے سے ہوگا کالعدم باطل نظام
اب کوئی باقی نہ ہوگا آہ وزاری کے لئے
نسخۂ تسکین پہنچا بیقراری کے لئے

جسارت

پھر ہوائے آتشیں سے تیز ہے دردِ فراق
پھر تمنائے دروں اظہار ہونے دیجئے
پھر بپا اک شور و غل اپنے جگر کی لے سے ہے
پھر سے بیتابی کا غم بیدار ہونے دیجئے
پھر اٹھی خونیں گھٹا بارود کے دامن تلے
باغباں کو آج مت بے کار ہونے دیجئے
پھر وہ دیکھو بجلیاں بیتاب کرتی ہیں کسے
میرے ارمانوں کو پُر رفتار ہونے دیجئے
پھر گلِ توحید پہ شامِ بریدن چھا گئی
چشمِ نرگس کو ذرا بیدار ہونے دیجئے
آ کہ پھر تجدیدِ انداز اخوت کر چلیں
ظلم کی دہلیز پہ اتنی جسارت کر چلیں

انتخاب

ہر طرف قلب و نظر پر چھا رہا ہے انتخاب
چاک ہونے کو ہے اب دعوائے باطل کی نقاب

ہیں غنیمت چند ساعت، چند گھڑیاں چند روز
لحظہ کی غفلت بنے گی پانچ سالوں کا عذاب

میں چلاتا ہوں مرے نالوں کا تم بھی ساتھ دو
اب کہاں تک ظلم کے ہاتھوں سے ہم ہونگے خراب

آؤ جمہوری تقاضوں کی بحالی کے لئے
راتے دیگر ملک میں برپا کریں گے انقلاب

حضرتِ انسان سے میری یہی ہے التجا
ظلم کی بھٹی میں کتنی دیر کھائیں پیچ و تاب

کروٹ

پھر نئے انداز سے ابھری حیاتِ چارہ ساز
پھر مٹا دل کے نہاں خانے سے داغِ امتیاز

پھر عقابی شان سے پھوٹا مرا جوشِ جنون
پھر سے ابھری رفعتِ جذبات مثلِ شاہباز

پھر سے رمزِ صبح گاہی نے بنایا ہے مقام
پھر زمانے کو ملے گی قبلۂ دل کی نماز

پھر سے ویرانوں میں مجنوں کو سرورِ دل ملا
پھر سے ہاتھ آیا ہے غزنی کو وہ گم کردہ ایاز

پھر سے مومن کی نگاہیں سوئے بطحا اٹھ گئیں
داغہائے سینہ کو پھر دے گیا مرہم حجاز

تھک کے عاشق آج ہے ساحل پہ پھر کچھ اداس
یا نبیؐ ٹوٹا ہے اس کی آرزوں کا جہاز

کارواں

نیا ہی کارواں راہِ شہادت کی طرف دوڑا
نئے دِل مُضطرب ہیں اب نیا ہی زور پیدا ہو
نئے جذبات رقصاں ہیں شہادت گاہِ اُلفت میں
نیا اک معرکہ برپا ہوا ہے دیکھئے کیا ہو
نئی رونق سرائی ہے نئے عشاق آ پہنچے
نئی محفل سجائی ہے نیا ذوقِ تمنا ہو
نئے دستور کی آمد نئے آئین کا پرتو
یہ سب منظور ہے لیکن حق و ایمان کا چرچا ہو
نئے پیالے نئی مے ہے نئے ہی بادہ خوار آئے
شرابِ عیش کے بدلے مئے وحدت کی مینا ہو

شوخیاں

شورشِ زنداں بھی ہے اِک آرزوئے سینہ تاب
جس کی اِک تلخی نے لائے ہیں ہزاروں انقلاب

دِل ترا جولانگہِ افکارِ دینداری ہی ہو
دے اسے اذکار کے نشتر سے ہر دم اضطراب

دیکھ دُنیائے تخیل کی ستم انگیزیاں
عقل کے کوزے سے باہر عشق کو دے پیچ و تاب

زخمہ ور، مستانہ، اوباشِ دہر، رومال پسند
نام کیا کیا دوں تجھے اے مسلمِ خانہ خراب

سر بکف جن ملتوں نے آج تک قائم رکھا
اِن کی تقدیریں اُجاگر ہو گئیں مثلِ شہاب

یاد آتا ہے رلانے کے لئے دورِ قدیم
تو بہ نو سامانِ دِل ہے محفلِ دِل کو عذاب

میں بھلا دیتا گمانِ یار کی سب شوخیاں
کتنی ظالم ہے کہ ہر دم ساتھ ہے دل کی کتاب

دیکھ آفاقی نظارہ دیکھ آفاقی اصول
کتنے استغنا سے پڑتی ہے شعاعِ آفتاب

رُک گیا ہے کاروانِ احمدِ مُرسلؐ کہاں

اشتراکی دیس میں ملتی ہے کیا ام الکتاب

کیا کسی میں کربلا کی یاد اب باقی نہیں؛

ایک ہی شبیرؓ تھے کیا فقرِ عریاں کا جواب

گردشِ چشمِ بتاں نے لے لیا زاہد کا ہوش

بن گیا تہذیبِ نَو کا قبلہ نسوانی شباب

چوٹ

نئی تہذیب ہے تخریب کاری
غلط ہے یہ نئی ترتیب ساری
ہیر کٹ کر کے جو اسکول جائے
وہی لڑکی ہے گھر والوں کو پیاری

نئی تعلیم نے ہر نوجواں کی
بڑھا دی حد سے زیادہ بیقراری
یہاں سب ایک ہی جانب رواں ہیں
رہا ہے کون نوری کون ناری؟

لبِ جمہور پہ تالا پڑا ہے
ابھی تک ظلم کی ہے تاجداری
دیانت بک گئی پیسے کے بدلے
لٹی بازار میں ایمانداری

سیاست دردِ دل کس کو دکھائے
بڑھی ہے لیڈروں میں بادہ خواری
ریاضت ڈر رہی ہے مسجدوں سے
شکم سامانیاں ملا کو پیاری

نہ ہو گستاخیوں میں تیز عاشق
مرے خامہ پہ ہے پہرہ داری

دھڑکن

بہت پُر درد ہے اب داستان دنیا کے انسان کی
بہت بے رحم ہے تدبیر اب اس حسنِ خوبان کی
نئے اعجاز نے تو چھین لی ہے سوزِ ایماں کی
نویدِ نو فقط اک یاد ہے گورِ غریبان کی
نئے نغمے سراسر روح کو بے تاب کرتے ہیں
کرشمے جسم وجان کو رات دن بے خواب کرتے ہیں

•

نئے اخلاق نے سرمایۂ معصومیت لوٹا
نئے کردار سے اب حسنِ سیرت کا بدن ٹوٹا
ہوا جب خود سے میں بیگانہ سب رازِ دارِ دل پھوٹا
نرالی چال سے پھر دھیرے دھیرے مجھ سے ہی چھوٹا
نئی تہذیب نے گھیرا ہے سارا تن بدن میرا
اسی کے سوز سے پُرساز ہے یہ فکر و فن میرا

•

نئی تعلیم تک میرے ذہن کی یہ رسائی ہے
کہ پہلا ہی سبق انکارِ شانِ کبریائی ہے
اگر ہے خیرہ کن حسنِ بدن کی جلوہ آرائی
زوالِ روح لیکن ہر نگر میں انتہائی ہے
نئے افکار ہیں یا ایٹم و بارود کی دنیا
نئے مقبول ہیں یا مرتد و مردود کی دنیا

•

ہوا ہے آج انسان نعرۂ توحید کا باغی
خوشی میں گرچہ رقصاں ہے مگر ہے عید کا باغی
رسولِ احمد مختار کی تاکید کا باغی
عروجِ ملتِ بیضا کی ہر تمہید کا باغی
نگاہیں دیکھتی ہیں دیکھ کر روتی ہیں راتوں کو
جنم دیتی ہیں دنیا روز و شب کن واردانوں کو

•

مقاصد خانماں ہیں آج کل آفاق گیری کے
اگر آزاد ہے دل کاٹتا ہے دن اسیری کے
یہ دنیا دیکھتی ہے معرکے اب بے ضمیری کے
عزائم ہیں کہ خالص مشغلے ہیں بد خمیری کے
مثالِ نکہت گل گرچہ ہو آوارگی میری
بہت مقبول ہو گی خاکداں میں دلبری میری

•

محو ہیں آجکل افرنگ کی نازک خیالی میں
اسی رُتبے پہ کھویا ہوں جمالِ لا ابالی میں
نہ من اپنا نہ تن اپنا، تن و من کا سوالی میں
گنوا رہتا ہوں عزم و جزم کو بے اعتدالی میں
سراغِ زندگی کا راز کیونکر ہاتھ آئے گا
گلِ پژمردہ بادِ سحر کو کیا آزمائے گا

امامت آج کی ہے منبر و مسجد میں شاہ زوری
اقامت آج کی استادہ رہنے کی ادا پوری
اجابت ہو کہاں جب دل کی ہو قبلے سے یہ دوری
یہ سجدے تجھکو آزادی نہیں دیتے ہیں مجبوری
نمازی ہو تو قامت میں قیامت کا نظارہ کر
جبیں گستر ہو سجدوں میں بتوں کو پارہ پارہ کر

•

ہوا جب سے تو باغی صبغت الہٰی اصولوں سے
اسی دم کٹ گیا رشتہ ترا سارے رسولوں سے
شمیم جانفزا آتی ہے کیا کاغذ کے پھولوں سے
کوئی اُمید بھر آتی ہے کب نازک ببولوں سے
ہوا ہے جب سے آدم صبغت آدم کا شیدائی
بجا کرتی ہے تب سے چار سو خونین شہنائی

•

وفا پرور کا استقبال کرتی ہے یہاں سولی
جفا پرور کے ہاتھوں میں یہاں ہر وقت ہے گولی
مکدّر ہو چکی ہے منّت و احسان کی جھولی
کرم ناآشنا ہے حضرتِ انسان کی بولی
قیامت خیزیاں ہیں خلوت و جلوت میں ہر پہلو
ہزاروں عیب ہی ہیں عصمت و عفت میں ہر پہلو

•

یہ دُنیا سود و سودا کو شرو تفہیم سمجھی ہے
یہ دُنیا جام و محفل کو سرِ تقویم سمجھی ہے
یہ دُنیا حسنِ دائم کو شکوک و بیم سمجھی ہے
یہ دنیا دینِ رحمٰن کو رہ ترمیم سمجھی ہے
یہ کیا ہے ؟ خنجرِ الحاق کا ایک زخم کاری ہے
یہ کیا ہے ؟ نشترِ طاغوت ہے ظلم تتاری ہے

یہاں دینِ متیں کے ماننے والوں پہ پابندی
یہاں قرآں کے پہچاننے والوں پہ پابندی
یہاں انسانیت کے جاننے والوں پہ پابندی
یہاں جانباز سینے تاننے والوں پہ پابندی
یہ پابندی کہاں تک صبر کا اب امتحاں لے گی
چلو اٹھو مبادا یہ نہ سوزِ جاوداں لے گی

اٹھو اب مصر و ایران و عرب کا نام باقی ہے
سہانی صبح گویا چل بسی ہے شام باقی ہے
غلامانِ محمدؐ کا ابھی بھی کام باقی ہے
زمانے میں خدا کا کیا کوئی پیغام باقی ہے
صفاتِ لوذر و سلمان کا چرچا ہو دنیا میں
یہ دنیا سب کی ہو کوئی نہیں آقا ہو دنیا میں

•

نہنگے اژدہے ہیں جو بھی ہیں گفتار کے غازی
زمانے میں کہاں پر چھپ گئے کردار کے غازی
بلا شک غرض ہے میری کہ ہیں تکرار کے غازی
جہاں میں جنکو دعوا ہے کہ ہیں سمسار کے غازی
عمل کا ریشہ ریشہ سوختہ معلوم ہوتا ہے
علم کی اصل کا ہر دن نیا مفہوم ہوتا ہے

•

حیاتِ نو کے انسان سوز کا نیلام کرتے ہیں
بڑی نازک ادا سے ساز کا افہام کرتے ہیں
ہمیں ہیں ان کی سحروں کی جو اکثر شام کرتے ہیں
وفا کے راستوں میں کب ختم انجام کرتے ہیں
جدا اندیشۂ عالم سے رہنا جن کی فطرت ہے
وہی فخرِ مسلماں ہے وہ فخرِ آدمیت ہے

•

نگاہِ مردِ مومن ہے سدا تسخیر کے قابل
لبِ شیریں ادا ہر وقت ہے تقریر کے قابل
دلِ پُر درد کی خو ہے سدا تفسیر کے قابل
ترے بازو ترے ہمت ہیں سدا تعمیر کے قابل
ضرورت ہے کہ تجھ میں شانِ استغنا کی مستی ہو
نگاہِ غیر میں موزوں تر تری ہی ہستی ہو

•

خدا نا آشنا اک فرد ہو یا قوم ہو ساری
اُٹھا سکتی نہیں اولادِ آدم کی وہ غمخواری
یہ دیکھو ملتوں پہ ملتوں کی ہے جو سرداری
عجم اوطان میں ڈوبی ہے انسانوں کی بیداری
عبث اُمید ہے اس طرح کی شیرازہ بندی کی
عبث اُمید ہے ہر نوجواں سے دردمندی کی

کوئی غیرت ابھی تک زندہ ہے ان نونہالوں میں
یہی ظلمت کدوں کو لا کے چھوڑے گی اجالوں میں
عزمِ تجدید نو بیتاب ہے اِن کے خیالوں میں
کہاں تک مے پئیں گے ناز سے باطل کے پیالوں میں
مُبارک ہیں جو ان کی نبض کو محسوس کرتے ہیں
وہ ناداں ہیں کہ ان کو قید میں محبوس کرتے ہیں

اُمنگوں کی شریعت

جذبات پٹاخوں کی طرح پھٹ نہیں سکتے ۔۔۔ اس دِل میں جسے مِل گئی گلخن کی طبیعت
ہوں وارداتِ تازہ کی آتش فشانیاں ۔۔۔ کافی ہیں سخاوت کے لئے اشکِ بغاوت
جلتے ہیں جو آتش کدہ کائنات میں ۔۔۔ اسپند کی طرح، عشق کو ہے ان سے شکایت
جب تک نہ تحمل ہو، توازن ہو تڑپ ہو ۔۔۔ بیکار جہاں میں ہے اُمنگوں کی شریعت
آغاز جنوں کے لئے سنجیدہ ادا ہو ۔۔۔ ہے اِس کے بنا فتنۂ چنگیز شجاعت

کرگئی ہے ایک بجلی اور خاکستر مجھے

اپنے ہی نور الحسن نے کر دیا بے گھر مجھے
کرگئی ہے ایک بجلی اور خاکستر مجھے
یاد کرتا ہوں ترے ماضی کی وہ شہنائیاں
یاد کرتا ہوں تمہارے حال کی انگڑائیاں
یاد کرتا ہوں ترے اذکار کی گہرائیاں
یاد کرتا ہوں ترے انداز کی دانائیاں
گھر کے بھیدی نے ہی کاٹے ہیں یہ بال و پر مجھے
کرگئی ہے ایک بجلی اور خاکستر مجھے

نوٹ :- شاید یہ ۱۹۷۱-۷۲ء کا زمانہ تھا کہ ہندوستان میں مسلم ثقافت کی یادگار علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار ایک سرکاری حکم کے تحت ختم کر دیا گیا۔ ان دنوں اس دانش گاہ کے وائس چانسلر پروفیسر نور الحسن تھے۔ ان ہی دنوں یہ اشعار موزوں ہو گئے۔

•

مرکزِ فکرِ مسلماں منہدم کس نے کیا
زہر کے پیالے کو اتنے ناز سے کس نے پیا
میری یک رنگی کو کس نے چھین کر مجھ سے لیا
میری خوشیوں کے عوض کس نے مجھے غم دے دیا
خاک بنکر بھی پکارے گا یہ بام و در مجھے
کر گئی ہے ایک بجلی اور خاکستر مجھے

•

اے دلِ حاکم ہے کتنی آتشیں تیری نگاہ
ایک بیچارے مسلماں پر ہے کیوں یہ انتہا
تیری یہ تدبیر ہے میرے زیاں کی ابتدا
اور بھی لاکھوں مصائب ہیں علیگڈھ کے سوا
ہے خطا میری کہ روٹھا داورِ محشر مجھے
کر گئی ہے ایک بجلی اور خاکستر مجھے

•

میں نے خود ہمت کے زمینوں پر قدم ڈالے نہیں

میرے ساتھی سخت جانی کے تو متوالے نہیں

میں نے آغوشِ بنی میں نوجواں پالے نہیں

میرے دل میں کلمۂ توحید کے نالے نہیں

کاش مل جاتا دوبارہ پاک دل رہبر مجھے

کر گئی ہے ایک بجلی اور خاکستر مجھے

•

ہو ہی جائے گا یہاں سب حاسدوں کا امتحان

اقلیت اب چاک کر دے گی قبائے داستان

ساقیٔ نباضِ فطرت بھی ہے اس کا ترجمان

کعبۂ اُمید کا بھی ہے یہی عزم و گماں

لے رہا ہے اب شہادت گہ پہ میرا سر مجھے

کر گئی ہے ایک بجلی اور خاکستر مجھے

پرسنل لاء

مُنہ زور حوادث نہیں سازش کی لہر ہے
اے دانشِ بیدار اس پندار کو توڑیں
ہمت کے خزینے ترے ادراک میں گم ہیں
آجا کہ نئے قافلے کی باگ کو موڑیں
ہے حُسنِ توازن کا یہ خاموش اشارا
ترمیمِ شریعت ہمیں کیسے ہو گوارا

نوٹ: شاید سنہ ۷۲ء کے مئی جون کا مہینہ تھا۔ بھارت میں مسلم پرسنل لاء کو تبدیل کرانے کی ایک شدید لہر چلی۔ حکمران ٹولہ اس لہر کو چلانے میں پیش پیش تھا۔ فرقہ پرست اور متعصب عناصر نے اسلامی شریعت کے خلاف محاذ قائم کیا اس کا توڑ کرنے کیلئے سارے بھارت میں مسلم علماء اور دانشور جمع ہو گئے۔ بڑے بڑے جلسے اور کانفرنسیں ہوئیں اور ایک بورڈ قائم ہوا۔ ان ہی ایام میں یہ نظم لکھی گئی۔

•

ہم ولولوں کی گود میں پالے ہی گئے ہیں

آجا کہ بغاوت کی اُمنگوں کو ہوا دیں

ہے لطف کہ ہو پیار ہمیں حسنِ قراں سے

جھیلیں گے تحفظ کے لئے جو بھی سزا دیں

دار و رسن کی سختیاں کاٹیں گے خدارا

ترمیم شریعت ہمیں کیسے ہو گوارا

•

تہذیب و تمدن کی بقا جس کی غذا ہے

بیمار نہیں فرد ہو یا ملتِ بیدار

منہاجِ خلافت کی یہ تعبیر صحیح ہے

تلقینِ حق میں تخت ملے یا کہ ملے دار

رکھتے ہیں مقاصد کو ہم اپنے سے پیارا

ترمیم شریعت ہمیں کیسے ہو گوارا

ہم کشتِ ملّی کی حفاظت کے لئے اک پل
افکار و خودی کا کہیں سودا نہ کریں گے
اب وقت ہے جو کفر کا حلقہ ہے توڑنا
یہ دَور نہیں مصلحت اپنا کے مریں گے
ہے وقتِ شہادت کا یہ انمول نظارہ
ترمیمِ شریعت ہمیں کیسے ہو گوارا

•

دنیا ہے کھیل رات دِن بس واقعات کا
ہم اونگھتے ہی اونگھتے نیلام ہوئے ہیں
ہنگامۂ حیات ہے یا دورِ شیاطین
ہم اپنی خطا کے عوض بدنام ہوئے ہیں
چھوٹے نہ کہیں اپنے ہی ایماں کا سہارا
ترمیمِ شریعت ہمیں کیسے ہو گوارا

احساس کی شدت سے اب خالی ہے مسلمان
جوہر شناس پتھروں کو کر چکا قبول
سیدھی دلیل دل میں اترتی نہیں کوئی
سمجھا ہے شاخِ گل کو یہ ناداں ابھی ببول
دُنیا کا زیاں اس میں ہے عقبیٰ کا خسارا
ترمیمِ شریعت ہمیں کیسے ہو گوارا

•

ذہنی شراب ہو کہ ہوں اصنام خیالی
سرچشمۂ سُنت کو نہیں روک سکیں گے
بے چین طبیعت ہو مسلمان کو حاصل
پیرانِ مناور اسے کیا ٹوک سکیں گے
اپنے ہی مٹاتے ہیں اب قسمت کا ستارا
ترمیمِ شریعت ہمیں کیسے ہو گوارا

ترجمانی

ہے اصولوں کی بقا کب ترجمانی کے بغیر
پاک ہے پانی کہاں اپنی روانی کے بغیر

جب سے دردِ دل مرا حق آشنا بنتا گیا
سینۂ تحصیلِ الفت ہے معانی کے بغیر

دیکھتے ہیں اب کہاں آئینہ حسنِ ادب
شاعروں کی شاعری ہے لن ترانی کے بغیر

میں متاعِ راحتِ عالم کا خوگر ہو چکا
جی رہا ہوں سوزِ جاناں کی نشانی کے بغیر

مرکزِ فیضِ نظر ہے احمدِ مرسلؐ کا شوق
ہیچ ہے سب اس رفیقِ جاودانی کے بغیر

اے جوانانِ عجم آجاؤ دم بھر سوچ لیں
انقلاب آتا نہیں سوزِ جوانی کے بغیر

اس جہادِ زندگی میں مال و زر کیا چیز ہے
یہ شہادت گہہ نہیں خوں کی روانی کے بغیر

کیا مٹیں گی یوں ہی عزم و سخت جانی کے بغیر
ہو گیا قرباں دُنیا کے جھمیلوں پہ یہ دل
زندگانی جی رہی ہے ترجمانی کے بغیر
ہو گئی تاثیرِ دلِ حُسن ریاضت پر نثار
عاشقِ شوریدہ ہے خوش حُسنِ فانی کے بغیر

ابولہبی کا چکر

نہیں ممکن اُٹھے کوئی رسولِ ہاشمیؐ بنکر
مگر بولہب دُنیا میں ہزاروں بار آتے ہیں
کسی کے حسن کے ناز و ادا پہ مٹنے سے پہلے
جہاں میں اہلِ دل اپنے جنوں کو آزماتے ہیں
ہوئے برباد جن کے آشیاں اب تک گلستاں میں
وہی غم آشنا مٹ مٹ کے اپنا گھر بناتے ہیں

کشمکش

کیا ہے بناتے زندگی زخمِ دروں سے پیچ و تاب
دردِ جگر متاعِ دل سعی و عمل ہے انقلاب
کشمکشِ حیات ہے عشق و جنون و اضطراب
امتحان ہر اک آرزو خونِ جگر سے کامیاب
امتحان صبح و شام ہے پردہ نور و نار میں
عیشِ ابد وہ پا گیا جس نے اٹھا ہی دی حجاب
نوکِ سناں پہ درسِ حق جس نے دیا ہو ایک بار
ہستی سرفراز ہے اس کا وجودِ کامیاب
تیری نظر کے سامنے بت بھی ہیں بت شکن بھی ہیں
اپنی نظر کا حوصلہ اپنی پسند و انتخاب
سوزِ نہاں بھی امتحاں جوشِ عیاں بھی امتحاں
عرصۂ کائنات میں امتحاں قرب و اجتناب
امتحان پیکرِ جمال امتحاں صورتِ جلال
وہ مئے مستیٔ فنا یہ دلِ درد کی شراب

•

جس نے بجھا دیا چراغ اس پہ ہے زندگی وبال
جس نے جلائی شمعِ حق اس کی حیات لازوال
وہ جھکا بُت کے سامنے اس کا ہے قبلہ لاشریک
اس کی اُمید ہے حرام آرزو اس کی ہے حلال
وہ ہے ہوائے نفس میں یہ ہے فضائے روح میں
اس کا مقام پستیاں اس کی بلندیاں فعال
ایک ہے صورتِ عیار ایک ہے پیکرِ وقار
اس کی ہے زندگی جواب اس کی حیات بے سوال
ایک ہے مرقدِ پندار ایک ہے جاذبِ نگاہ
اقتدا۔ اس کا فرض عین وہ فقط پیروِ خیال
معرکۂ حیات میں اس کی مثال انقلاب
ذلتوں کی سیاہیاں اس کے شعور کا کمال
اُس کا وجود گہ یقین گاہ تذبذب و شکوک
اس کی متاعِ زندگی عزمِ صمیم و اعتدال

٥

آگہ اب بجھ گیا چراغ ظلمتوں میں ہیں خاص و عام
نور سے پھر ہو تابناک جادۂ زندگی تمام
عشق و جنوں کو غیر کی یاد میں کیوں کریں تلف
میکدہ غرور کا آکہ ہم توڑیں جام جام
سوزنِ غم سے سی رہا ہے جو قبائے زندگی
وہ ہے زعیمِ کائنات اپنی ہے اس کی صبح و شام
وسعتِ شوق ہے غذا فکرِ زعیمِ کار کو
سیکھتی ہے یہ روح خود ولولۂ رم و خرام
کس طرح مستیٔ دروں وہم و گماں کی ہوشکار
پاک ہو جدتِ خیال اپنے اصول کی غلام
خیرہ نہ کر سکیں اُسے سنگ و آہن کے بند کواڑ
جسکی حریمِ روح میں ہو نہ ہوس کا اہتمام

نظمیں اقبال

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
ہے انفس و آفاق میں غیرت کا نگہبان
چڑھ جائے اگر خنجرِ خونیں کی نوک پر
کرجائے صدا جراتِ رندانہ سے اعلان
وارفتہ پندار ذرا آ اسے پہچان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

قہاری و جباری و قدوسی و جبروت
مل جائے اگر دینِ خدا کا کوئی غدار
بے خوف و خطر اسکے ارادوں کے مقابل
ہر قطرۂ خون دیگا یہ توحید کا غمخوار
بے باک و جری غالب و وحدت کا نگہبان
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
آیاتِ الٰہی کا محافظ ہے جہاں میں
الحاد کا ہر قلعہ تخریب گرانے
ہوتا ہے تیر اسکے عزائم کی کماں میں
کرتا ہے پیشِ بزمِ سیاست میں بھی فرقان
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قران

•

قدرت کے مقاصد کے عیار اسکے ارادے
فطرت کے اصولوں سے اُلجھتا نہیں لیکن
حالاتِ زمانہ کا محاسب ہے شب و روز
باطل کے ارادوں سے سلجھتا نہیں لیکن
ہر موڑ پہ یہ شمعِ حق کرتا ہے فروزان
دنیا میں بھی میزاں ہے قیامت میں بھی میزاں

ہمسایہ جبریلِ امین بندۂ خاکی
سورج کی طرح ہر جگہ ہوتا ہے نمودار
ہے بوئے رنگ وطنوں کے تعصب سے بہت دور
سرحد کی لکیروں سے اسے کچھ بھی نہیں پیار
کرتا ہے ہر اک خطہ میں معروف کا اعلان
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان

•

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
جس سے ہو غنچوں میں تری وہ بادِ صبا ہے
فولاد ہے ٹکرائے اگر، قوتِ باطل
پانی کا ببولا ہے جو پل بھر میں فنا ہے
ایسی نسیم جس سے کھلیں سارے گلستان
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

•

فطرت کا سرورِ ازلی اس کے شب و روز
دار و رسن کی سختیاں کرتا ہے گوارا
مقصودِ جہاں میں اسے اللہ کی خلافت
ہے شعلۂ اسلام کا مربوط شرارا
شیرازہ بکھیرے کہاں اس کا کوئی شیطان
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن

•

بنتے ہیں مری کارگہِ فکر میں انجم
میں ارض و سماوات کا نباض جو ٹھہرا
گستاخ شوخیاں نہیں میرے شعور میں
محمود کی الفت کا میں ایاز جو ٹھہرا
اب دیر نہ کر وقت ہے کم عاشقِ ناداں
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

جنونِ تازہ

اے جنونِ تازہ باطل کی قیادت کب تلک
رہزنوں کا ہر نگر میں قتل و غارت کب تلک

کر رہے ہیں خونِ آدم سے جو رنگین دست و پا
خوئے چنگیزی کی یہ اوچھی شرارت کب تلک

محفلِ انسانیت سونی ہے آدم سوگوار
انجمن پر پرتوِ غمہائے ذلت کب تلک

آذری فکر و ہنر پر ہے فدا یہ ساری قوم
امتحانِ طالبِ قرآن و سنت کب تلک

عالمِ نو بُت پرستی پر ہے نازاں رات دِن
منتشر چاروں طرف سامانِ وحدت کب تلک

کاش پھر سے دوستی رب کی تجھے محبوب ہو
غیر کی دل میں ترے اتنی محبت کب تلک

نبضِ جاں خاموش جب ہو گی وجودِ خاک میں
تشنۂ من شوخیٔ تن کی عبادت کب تلک

اُٹھ کہ تقدیرِ امم افسانۂ فردا نہ ہو
لوٹ آ فرمانِ قرآں سے بغاوت کب تلک

ہیں جو دُنیائے سیاست کے نئے روشن دماغ
بوجھ ہو ان ننگ ناموں کی نحوست کب تلک

اجتماعی روپ میں نفرت کے یہ لاکھوں منات
اے دلِ غزنی سکونِ سوزِ وحدت کب تلک

مسکنِ مومن ہیں سب آفاق کی پنہائیاں
سرحدی ناطوں پہ تقسیمِ وراثت کب تلک

تم مزاجِ سوگیتی کے اگر ٹھہرے طبیب
نسخۂ تاثیر سے بدظن طبیعت کب تلک

اک نظر ماضی کے نقشے پر بھی ہو دیوانہ وار
اے جنونِ خامِ تاسیسِ حماقت کب تلک

اپنے ماضی کی وہ رنگیں شام صبحِ پُر ضیاء
بے مثل ماضی کا سودائے رقابت کب تلک

اپنے ماضی کا وہ عادل فلسفہ حسنِ نظام
ایسے ماضی کو دغا دینے کی جراءت کب تلک

اپنے ماضی کی وہ یک رنگی و یک سوئی کا راز
قطرۂ عشرت پسند ترکِ جماعت کب تلک

منتظر اے حسنِ عالم ہے تری سب کائنات
اے عروسِ روز و شب آغوشِ خلوت کب تلک

آج بھی خورشید کے مانند ہے جس کا ظہور
اس شعاعِ نور کو کہہ دو گے ظلمت کب تلک

مُدتیں بیتیں پشیمانی کے اس گرداب میں
آ، تمناؤں میں اٹھوفی قیامت کب تلک
میں تو ہوں بے چین تم بھی مضطرب اور بیقرار
ساعتیں عمرِ شرر کی ہوں گی غارت کب تلک
لوٹتے ہیں کشتِ آدم کو یہاں بھولے عیار
روندتے جائیں گے گلزارِ اخوت کب تلک
حال کی ہر ہر نظر بس آپ کی مشتاق ہے
حال کے منبر پہ غیروں کی امامت کب تلک
حال کے سینے میں تیرے واسطے جذبات ہیں
حال کے بے درد ہاتھوں کو رعایت کب تلک
اُٹھ کہ مر مر کے یہ مزدوری عناصر زندہ ہیں
اُٹھ گوارا ہو فراعونی طبیعت کب تلک
اُٹھ کہ ہر مجبور ہے اب تیری خاطر بیقرار
اُٹھ کہ لٹتی جائے گی دُنیائے عصمت کب تلک
اُٹھ کہ تم ہی آخری پرواز ہے دُنیا میں اب
غیر ہوں گے تشنۂ دادِ شجاعت کب تلک

عید

عید ہے پُر درد ہو نبضِ مسلمان کی تڑپ
ورنہ ساری عشرتوں کا ماحصل کچھ بھی نہیں

عید ہے میراثِ آدم کی نگہبانی کا راز
ورنہ ساری زندگی کا آجکل کچھ بھی نہیں

عید ہے! سرمایۂ مال و متاع قربان ہو
ورنہ کل اس حشم کا نعم البدل کچھ بھی نہیں

عید ہے، مجبور و محتاج و یتیمی سے وفا
ورنہ یوں ہی فخرِ سرخیلِ مِلَل کچھ بھی نہیں

عید ہے یک رنگیوں میں ڈوب جانے کی ندا
ورنہ ذوقِ التفاتِ بے محل کچھ بھی نہیں

تصویر

نبضِ عالم کی تڑپ ہوں حرکتِ قلبِ حیات
سینۂ تحصیلِ غم ہوں ارتقائے واردات
قوتِ تاثیر میں ہوں امتزاجِ حسن و عشق
عظمتِ تہذیبِ آدم ہوں تمدن کی برات
مقصدِ اعجازِ روحانی سے پُر تفسیر ہوں
آفتابِ زندگی کی شوخیٔ تصویر ہوں

•

رندِ مخلص کے لئے جو بادۂ توحید ہو
معصیت کے واسطے جو خامۂ تنقید ہو
عالمِ نفرت کے متوالوں کو ہو جس کا ہراس
کائناتِ شعلہ ہائے سوز کی جو تردید ہو
میں اسی رازِ وفا کی خوبیٔ تقریر ہوں
آفتابِ زندگی کی شوخیٔ تصویر ہوں

•

سوزِ حرکت سے سیتی ہوں قبائے زندگی
خامۂ میدے لکھتی ہوں قرطاسِ خودی
وسعتِ ظلمات میں ہے میری شعاعِ ضوفگن
ذرے ذرے کو بخش دیتی ہے شانِ دلبری
عطر کا جھونکا ہو جس میں وہی تاثیر ہوں
آفتابِ زندگی کی شوخ تصویر ہوں

•

ناز ہے جس پر شبابِ عزم کی تکمیل کو
فخر ہے جس کی ادا پر رفعتِ جبریل کو
ناز ہے جس پر زعیمِ آب و گل کو رات دن
فخر ہے جس کی بقا پر صور اسرافیل کو
شل نہ ہوں جس سے عمل کے ہاتھ وہ تدبیر ہوں
آفتابِ زندگی کی شوخ تصویر ہوں

نمود

اک داستانِ عزم ہوں بے سختیِ و سخن
مر مر کے جیا ہوں مگر خونیں ہے بانکپن

کلیوں میں، گل میں، شُشک میں پتوں میں دیکھ لے
میرے لہو سے سُرخ ابھی تک چمن چمن

اے مہرِ انقلاب تفضّلم کے جہاں میں
آوارہ کہاں تک ہو تمہاری کرن کرن

نکہت کی طرح میں بھی ہوں آوارہ فضا میں
مجھ سے ہوا ہے چاک زمانے کا پیرہن

خاروں میں جیا ہوں یہی میری ہے ابتداء
تاروں کی طرح انتہا میری ہے ضوفگن

شام

کس طرح افلاک میں رقصاں ہیں تاروں کے شرار
کس طرح انجم کے جھرمٹ میں ہے ماہِ داغدار
کس طرح آتش زدہ ہیں شام کی پرچھائیاں
کس طرح بادِ صبا ہے غنچے غنچے پر نثار
کس طرح وسعت نما بحرالم، دامانِ موج
کس طرح دل ہے غریقِ غم شریکِ انتظار
کس طرح بلبل کی اُمیدیں ابھی تک ناتمام
کس طرح شبنم سے کلیوں کی بجوانی اشکبار
کس طرح لیلائے شب زلفیں پریشاں کر گئی
کس طرح مضمونِ صبحِ زندگی ہے آشکار
کس طرح صحرا کا ہر اِک موڑ ہے محشرستاں
کس طرح مخلوق ہے وقفِ مرورِ روزگار
کس طرح عاشقِ اسی ہنگامۂ جاوید میں
ماہیِ بے آب ہے، بے تاب، بے چین بے قرار

سوال

یقین کے چہرے پہ مصلحت کی نقاب کب تک حجاب کب تک
دلوں پہ دھبے ذہن پہ تالا نگاہ اپنی خراب کب تک
لٹے ہوئے کارواں بھی دیکھے مٹا تمدن بھی ہم نے دیکھا
اُجڑتے گلشن، برستے بادل، گرجتی بجلی عذاب کب تک
سمجھ کے زندگی فسانہ حقیقتوں کو بھلانے والے
نظر بتوں پر، خیال بے کل، ترے لبوں پر شراب کب تک
سکوں کی حیرانیوں میں اپنا جنوں گنوایا لہو لٹایا
صنم کدوں کا حیا سے خالی قبول تجھکو شباب کب تک
یہ دیکھ دُنیا کی وارداتیں لہو کا منظر ترستی روحیں
ہماری گردن پہ دوسروں کا ہو نشترِ پُر عتاب کب تک
پھرایا دل گنبدِ وفا سے یہ کس کا جادو یہ کون رہزن
ستمگروں کے دروں پہ اب بھی ہو سجدہ ریزی جناب کب تک
اگر ہے تقلید تیرا شیوہ بہارِ مغرب سے کیا ملے گا
حجازیوں میں تھا تو بھی شامل مگر یہ اجتناب کب تک
وہ بزمِ انجم بھی طعنہ زن ہے ترے بکھرنے پہ اے مسلمان
مذاق تیرا اڑا اڑا کے طلوع بھی ہو آفتاب کب تک

جُدائی

اے مرے ہمراز بدظن ہوں نہ میں تیری قسم
راستہ تیرا رکایا ہے زمانے نے ضرور
ہمسفر ہر گام پر ملتے ہیں تھک جاتے بھی ہیں
ہاتھ سے جانے نہ دینا سوزِ دل فکرِ غیور
حق کے متوالے جُدا ہو کے بھی ہیں نزدیک تر
ان پہ چھا جاتا نہیں ہے واردانوں کا مرور
چند سِکّوں کے عوض بکتی نہیں ہے دلبری
چند یادوں پر نہیں موقوف یہ نزدیک و دور
ہجر میں بھی لطفِ احساسِ محبت ہو بہم
ہے وہی قربت کہ ہم آواز ہو ذہن و شعور
دل بہلتا ہے ملاقاتوں سے لیکن کیا کریں
شیشۂ یکسوئی کا دُنیا نے کیا ہے چور چور
آتشِ ہجراں سے جل جاتے نہیں نوری مزاج
خارِ فرقت مانتے ہیں چبھ تو جاتا ہے ضرور
وصل کیا ہے آرزوں کا اُمنگوں کا جمود
ہجر سے مٹتا ہے فرقِ غیب احساسِ حضور
ہم نے آفاقی اصولوں پہ کیا تعمیر ذوق
ان ہی بنیادوں پہ اپنی منزلیں ہوں گی عبور

شہید کربلا

اے دلِ زہرا سکونِ مرتضیٰ تجھ پر سلام
راکبِ دوشِ پیمبر مصدرِ خیر الانام
اے شہیدِ حق امینِ لا الٰہ تجھ پر سلام
زندہ ہے تجھ سے ہی میری زندگی کی صبح و شام
اے شہہ شہدا زمین کربلا شاہد رہی
تیرے خون نے دیدیا دُنیا کو جرأت کا پیام
یاد ہے مجھکو ترسنا تیرا بے گور و کفن
یاد ہے مجھکو ترے صبر و رضا کا اہتمام
یاد ہے مجھ کو ترے گھر کی تباہی یاد ہے
یاد کرتا ہوں سکونِ قلب کا تیرے مقام
آج ہم ماتم سرا ہیں پھر بھی کیوں برباد ہیں
عالم آدم میں ہم ہی کشتۂ بیداد ہیں
شہریوں نے زندگی کا قافیہ تنگ کردیا
اور ہم کہتے ہیں دُنیا میں ہمیں آزاد ہیں
آپ نے جاں دی مگر گل چین کو گلشن نہ دیا
ہم بھی تیرے ہیں مگر آمادۂ صیاد ہیں
مردِ حُر کوئی نہیں ہم نام لیواؤں میں آج
بستیاں اب بھی یزیدوں کی یہاں آباد ہیں

بستی

عیش و نشاط چھوڑ کر گُل مل گئے فقیر
دامِ رسول میں ہوئے ہیں جان کر اسیر
جو بات بھی کریں وہ پتھر کی ہے لکیر
ذہنوں کے بادشاہ ہیں افکار کے امیر
اُمت کا غم یہاں بھی سُنا کر رُلا چلیں
آئے ہیں ایک روز کی بستی بسا چلیں

اِن بے کسوں کا آسرا رنگین چمن نہیں
ان کے دلوں کا مدعا ساز و سخن نہیں
ان کی اُمنگ ساکنِ ملک و وطن نہیں
ان کی جبین پہ جلوۂ رنج و محن نہیں
آفاقیوں کی شان سے نغمے کو گا چلیں
آتے ہیں ایک روز کی بستی بسا چلیں

•

یہ دیکھ آج حضرتِ انسان ہے خونخوار
یہ دیکھ عبادت کدے کتنے ہیں سوگوار
ہر ایک ذہن ہے مے و مینا سے پُر خمار
آدم کا تقدس یہاں روتا ہے زار زار

مِل بیٹھ کے آ اپنی دوئی کو بھلا چلیں
آئے ہیں ایک روز کی بستی لبا چلیں

بستی اُجاڑ دل ہیں مقفّل تو لب خموش
روحیں تمام تشنہ شکم کا ہے ناؤ و نوش
بے فکر زمانے سے ہے انسان کا گوش و ہوش
کوئی بھی جگر ہے نہیں دکھلا سکے جو جوش

آ جاگنے کی بات سبھوں کو سُنا چلیں
آئے ہیں ایک روز کی بستی لبا چلیں

رنگین قبا ہو عزم لہو کے نشان سے
میدان میں کودنا ہے تو کودیں گے شان سے
اب تیر ہمیں چھوڑنا ہوگا کمان سے
اُمید بھی ہے مجھے اپنے جوان سے
دُنیا میں آخرت کی عطائیں کما چلیں
آئے ہیں ایک روز کی بستی بسا چلیں

•

سُرخے پکارتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں
اس خاکداں میں دین کی شاید بقا نہیں
مسلم کو خوئے سنت خیر الورےٰ نہیں
مومن ہیں پھر بھی شوقِ جہاد و رضا نہیں
اُجڑے ہوئے چمن کو دوبارہ بنا چلیں [1]
آئے ہیں ایک روز کی بستی بسا چلیں

[1] ایک دینی اجتماع سے متاثر ہو کر ۷۳ء

گریۂ شباب

۲۵ر فروری ۷۳ء کی صبح کو میرا نہایت ہی عزیز شاگرد ظہور احمد خان ۲۲ سال کی عمر میں رحلت کر گیا۔ ایم، اے جو تن کیا تھا اور سیرت و صورت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ ٹنکی پورہ شہید گنج کے اس نوجوان کی شمعِ حیات گل ہونے سے سارے علاقے میں کہرام مچ گیا۔

جذبات میں جو طوفان اُٹھا اس نے مرثیہ کا روپ دھار لیا۔ یہ نظم ان ہی دنوں ایک کتابچے کی صورت میں ظہور کے یار دوستوں نے شائع کی تھی۔ یہاں اسے دوبارہ شاملِ کیا جاتا ہے۔

گریۂ شباب

قافلہ ہے سوگواروں کا کوئی بردوش ہے
ہر چمن ماتم سرا ہر انجمن خاموش ہے
کھل گئیں تجھ پر سرِ منزل کی ساری شوخیاں
تو سدا غفلت زدوں کی آنکھ سے روپوش ہے
بجھ گئی اِک شمع پژمردہ ہے نرگس، یاسمین
جل گیا پروانہ بسمل پیکرِ بے ہوش ہے
میں نگاہِ دل سے روتا ہوں جُدائی کے لئے
آشنا آتے ہیں سب ماتم سرائی کے لئے

•

جا کہ ہم سب ہیں مسافرِ گردشِ ایام میں
لاکھ گل مرجھاتے ہیں بس ایک صبح و شام میں
سوزِ فرقت نے بڑھایا ہے جنون و اضطراب
شعلۂ دردِ الم بھڑکا سکونِ خام میں
سایۂ رحمت میں کر آرام تا روزِ قیام
کچھ نہیں ملتا ہے دُنیا جیت کر انعام میں
تیری تصویرِ وفا کو بھولنا دشوار ہے
تیرا متلاشی مرا ہر گوشۂ افکار ہے

•

چل دیا تو اپنی تصویرِ جوانی چھوڑ کر
زندگی کی نامکمل سی کہانی چھوڑ کر
تیری ہر اک بات میں شیرینئ تقریر تھی
تجھ کو جانا تھا مگر یہ نکتہ دانی چھوڑ کر؟
ہم کو کب معلوم تھا جاؤ گے شبنم کی طرح
دوستی کی ایک شرطِ جاودانی چھوڑ کر
خیرا کوئی چیز بھی انجام سے بچتی نہیں
نوجوانی موت کے پیغام سے بچتی نہیں

•

دوستوں کا دوست ہم میں ہے کہاں رشک گہر
جانتا ہے باپ ہی ہوتا ہے کیا مرگ پسر
والدین مرتے ہیں تو اولاد ہوتی ہے یتیم
تیرے جانے سے یتیم ہو گئے مادر پدر
زخم ہائے دل کو کانٹا بن کے چبھ جاتی ہے یاد
دَرد کا دُنیا میں ہے صبر و رضا ہی چارہ گر
غم ہی اک ذریعہ ہے غافل کو جگانے کے لئے
تیری صورت بن گئی نشتر ستانے کے لئے

•

ذہن ہے مغموم تیرے فکر سے تھا آشکار
غم میں ڈوبا ہے قلم کیوں چل بسا اک ہونہار
آنکھ روتی ہے کہ رشکِ لالہ و سنبل کہاں
دل کی ہر دھڑکن تری خاطر ہوئی ہے بیقرار
کان سنتے ہیں کہ بائیس سال کی مورت اُٹھی
ہونٹ ہلتے ہیں صداؤں کے لئے دیوانہ وار
ہے کسی کو کامِ دل حاصل کوئی ناکام ہے
اس نظارے کا مگر خاک لحد انجام ہے

•

آخری ایام وہ شوقِ عبادت آپ کا
وہ سحر خیزی تری ذوقِ ریاضت آپکا
قبلہ رو مسجد میں یکسوئی تری وہ پانچ بار
حُبِّ القرآن میں جوشش عقیدت آپکا
میرے غفلت زادہ دل کو کہاں معلوم تھا
آچکا ہے سوئے مغرب مہر رحلت آپکا
دوستوں یاروں رفیقوں کے لئے حسرت ہے موت
عیش میں ڈوبے ہوؤں کے واسطے عبرت ہے موت

•

•

ترا جانا ہے ستم رنگین بہاروں کے لئے
غم ترا ہے جان لیوا آبشاروں کے لئے
الوداع اے چاند جس نے چودھویں دیکھی نہیں
ڈوبنا تیرا رہا ارماں تاروں کے لئے
حضرتِ انسان ہے سب کچھ دیکھ کر کتنا حریص
زندگی کے بے وفا نازک شراروں کے لئے
مرض آخر موت میں تبدیل ہو کر آ گیا
تیرے بستر پُر سکون جاوداں سا چھا گیا

•

تجھ پہ نازاں تھا مری بستی کا ہر خورد و کلاں
تجھ کو سمجھا تھا مری بستی نے اک لعلِ گراں
تجھ پہ آغوشِ تفکر کو ابھی تک ناز تھا
تو چلا اجڑیں مرے جذبات کی سب بستیاں
فطرتِ انسان ہے ماتم فطرتِ آدم جنوں
جا کہ تیری منتظر ہیں جنتوں کی شوخیاں
لرزہ بر اندام ہر اک آشنا ہو جائیگا
کس طرح معصوم قبرستاں میں سو جائیگا؟

آج دُنیا سے ہوا رخصت جوانی کا ظہور
آج مشتِ خاک سے چھٹ کر چلی روحِ غیور
آج ہے شہرِ خموشاں میں کسی کا انتظار
آج اک راہی نے تھک کر اپنی منزل کی عبور
گریہ زا ہے آج کے دن جس پہ دُنیائے شباب
باغِ عالم کا وہ غنچہ ہو گیا نظروں سے دور
خامہ و قرطاس جس کے واسطے نمناک ہے
وہ حسین صورت بھی اے غافل سپردِ خاک ہے

آج تیری زندگی کا دائمی آغاز ہے
مدتوں کے بعد تیری روح کی پرواز ہے
مرگِ مومن ہے حیاتِ جاوداں کی ابتدا
مقصدِ قدرت کا یہ اک راز ہے اعجاز ہے
اے رسیلِ جنت الفردوس بالکل غم نہ کر
سیدالکونین تیرا شافع و ہمراز ہے
اے دلِ معصوم دنیا ریت کی تعمیر ہے
زندگی اپنی کتابِ موت کی تفسیر ہے

•

گورکن بھی ششدر و مغموم تھا تیرے لئے
نالہ زن غسال اے معصوم تھا تیرے لئے
راہ نے تصویرِ غم بن کر تجھے جانے دیا
راہ رو غمناک اے مرحوم تھا تیرے لئے
شورِ گل ، ہنگامۂ بازار سب کچھ تھا اداس
تیرا کالج تشنۂ مفہوم تھا تیرے لئے
درسِ عبرت نوجوانوں کے لئے تیرا فراق
موت کو دُنیا نے کیوں سمجھا ہے ایک سستا مذاق

•

اے کہ تو تعلیمِ مغرب میں بھی تھا ایک ہونہار
اے کہ تو اسلام کے اذکار سے تھا ہمکنار
اے کہ تو جس نے مے و مینا کو دیکھا تک نہ تھا
اے کہ تو جس کو شرابِ بندگی کا تھا خمار
اے کہ تو جس کی شرافت تھی سدا اسیرِ پسند
اے کہ تو جس کا ہر اک انداز تھا ایسا مندار
خاک ہے حالیؔ کو آخر رشتۂ جاوید ہے
روح کی پاکیزگی ہی پر تو خورشید ہے

•

اب تو میں شرمندۂ ضبطِ فغاں ہونے لگا
اپنا ہی سودائے غم بارِ گراں ہونے لگا
عرض کرنا باادب یہ سیدالابرار سے
امتی دنیا میں پابندِ خزاں ہونے لگا
جسدِ ملت میں نہیں باقی مجاہد کا ضمیر
مجھکو مسلم سے ہی میت کا گماں ہونے لگا
خاکۂ نظمِ جہانگیری کی جو تکمیل تھا
اب وہی اجڑا ہوا اک گلستاں ہونے لگا
قبلۂ ملت ہے انگلستان وہیں جاپان و روس
کعبۂ ملت جہاں میں رائیگاں ہونے لگا
دفترِ توحید کا ہر شخص راشی بن گیا
آشناؤں سے ہی قرآں کا زیاں ہونے لگا
صفحۂ عالم پہ عاشق مجرمِ اظہار ہے
زندہ ہے نمرود ابراہیم بھی بردار ہے

طہارت

میں حریفِ دل رقیبِ زندگی ہوں بار بار
اے بہارِ حسن دردِ عشق اب ہے ناگوار

تیر و نشتر سے بھری یادیں یہ ارمانوں کا سوگ
شامِ غم صبحِ غزل رنگین یادوں کی بہار

عرصۂ ہستی میں تھی شہکار میری آرزو
اب مئے ریعانِ حسنِ دوست کا ہے انتظار

کتنے نازک تھے وہ شب ہائے محبت بے ریا
سادگی تھی زندگی میں پاک تھے بوس و کنار

آہ ظالم جبین کر مجھ سے ہجوم اشتیاق
میں بھی روتی ہوں تو تیرے بھی نہیں لیل و نہار

آبروئے زندگی تھا تیرا اندازِ حجاب
شرمگیں آنکھیں تری تھیں دیکھ کر بھی پردہ دار

آج بھی دریائے دل میں موجزن ہے خلشِ غم
ناوکِ دل جو نہیں لیکن یہ زخم دلفگار

عنفوانِ حسن کی اس لمحہ پاشی کے تلے
میرا یہ پروانۂ دل گھومتا تھا بار بار

ہو گئیں کافوری عاشق ان کی سب دلجوئیاں
جی رہا ہے آج سے تنہا خیالِ شعلہ بار

قربانی

تفسیرِ اطاعت ہے تو ابنِ خلیل ہے
والد جلیل ہے تو پسر بھی جلیل ہے
یہ نورِ صداقت سے سراپا ہے تجلّی!
قربانی حیات میں وہ خود کفیل ہے
یہ قوتِ باطل کو مٹانے کا طلبگار
وہ بوتے وفا خوفِ خدا سے جمیل ہے
یہ ایک موحد تو زمانے میں بُت شکن
وہ ایک جاں نثار تو قائم دلیل ہے
یہ آتشِ نمرود کے شعلوں میں ظفریاب
وہ سربکف ہا صفی بہ رضائے جلیل ہے
یہ اقتدارِ وقت کی سازش سے خبردار
وہ دشمنِ خدا کے مقابل فصیل ہے
وہ ترجمانِ عشق ہے اور کتنا بے ریا
یہ انقلابِ وقت ہے کتنا اصیل ہے

ضرب

لیڈر رو جود مکر ہے تو مولوی چالاک
واعظ کی ادا شوخ تو مُلّا ہے خطرناک
کم تر نہیں یہ شیخ بھی بازارِ دہر میں
شیریں دہن بجا مگر نیت میں نہیں پاک
مفتی کا قلم ہے کہ مفسّن کی زباں ہے
فتووں سے لرزہ خیز ہوا عالمِ لولاک
ہر اک کتب فروش کی دہلیز پر ادیب
فن بیچتا ہے کوڑیوں میں پھر بھی ہے بیباک!
شاعر قصیدہ گو ہے ہر اک اقتدار کا
ہے رنگِ غزل مطلع سے تا مقطع ہوسناک

ابن علیؓ

اے ابنِ علی پیشِ رو ملّتِ مبیں
زندوں کو زندگی ہے تیرا عزم آہنیں
دُنیا یزیدیوں کے تسلط میں آگئی
خوں ریزیوں سے بھر گئی پھولوں کی سر زمین

ہر وادیٔ حیات میں پاتا ہوں کربلا
شیرازۂ خیالِ مسلماں بکھر گیا

•

مانا بلاغتوں میں اضافہ ہوا ہے آج
مانا فصاحتوں میں اضافہ ہوا ہے آج
گھر گھر خطابتوں میں اضافہ ہوا ہے آج
در در روایتوں میں اضافہ ہوا ہے آج

تیغوں کے تلے کون ہے خوں میں کسے قبا
شیرازۂ خیالِ مسلماں بکھر گیا

ہم ہیں مگر طہارتِ قلب و نظر نہیں
میدانِ کارزار میں آئیں جگر نہیں
تسخیرِ کائنات ہو ایسا ہُنر نہیں
کانپے وجودِ شب کہاں شوقِ سحر نہیں
جب سے خونِ آرزو ہی منجمد رہا
شیرازۂ خیالِ مسلماں بکھر گیا

ہم جو کبھی تھے پیکرِ یک جاں و یک زبان
ناوک زدہ ہیں تھے ہماری ہی تھی کماں
ہم جن پہ ناز کرتی تھیں سولی کی ڈوریاں
ہم جن کے ولولے تھے بڑھاپے میں بھی جواں
وہ دردِ جگر جوشِ نفس نے لٹا دیا
شیرازۂ خیالِ مسلماں بکھر گیا

•

مٹی ہے ابھی کربلا کی تشنۂ لہو
تہذیبِ شمر بن گئی دُنیا تے رنگ و بو
اصغر ہیں آج بھی یہاں تیروں کی نوک پر
زنداں میں اب بھی عابد و زینب ہیں چار سو
لیکن حسینوں کے دلوں میں نہیں وفا
شیرازۂ خیالِ مسلماں بکھر گیا

•

بے کلمہ پھر سے پڑ گئی ہے وادیٔ کلیم
ابھرے یہود گر گیا ملت کا ہر زعیم
ہر سجدہ گاہ مسجدِ اقصیٰ ہوئی یتیم
بشیر یوں میں اب نہیں وہ غیرتِ قدیم
ہاتھوں سے باغباں کے چمن پر چمن چلا
شیرازۂ خیالِ مسلماں بکھر گیا

•

لاشیں لہو میں تیری نہانے کے باوجود
اُمت کی آنکھ نم مگر دلِ قلعہ جمود
ہر لحظہ چاروں اور مخالف کا ہے ورود
شمشیرِ اشتباہ لئے آنکھوں میں ہیں حسود
عاشق یہ طمطراق ہے ملت کا کھو کھلا
شیرازہ خیالِ مسلماں بکھر گیا

تیری ادا ادا میں تھا اک جوشِ انقلاب
تیری صدا صدا میں تھی اک موجِ اضطراب
تیری نظر نظر میں تھا سامانِ احتساب
تیرے لہو کے ایک اک قطرے میں تھا حباب
ہم سے ہوا تو ہیچ کر کھائی تری قب
شیرازۂ خیالِ مسلمان بکھر گیا

مسئلہ کشمیر[1]

اے انقلابِ وقت ذرا جاگ جائیے
سب سرپھروں کو ایک جا میداں میں لائیے
غیرت کے پیکروں کو ذرا آزمائیے
اک سوزِ بے سکوں کی طرح اِن پہ چھائیے
سوئے ہوؤں کو خوابِ گراں سے جگائیے
تاریخِ اضطراب کے عنواں دکھائیے
جن کے دلوں پہ بار ہے طوفانِ آرزو
اِن بے دلوں کو دردِ جگر بن کے کھائیے

پیدا ہوا ہے جذبۂ آزادیٔ ضمیر
کب تک رہے گا مسئلہ دُنیا میں کاشمیر

•

گاتے خزاں آئی سسکتی چلی بہار
مجھ کو رُلا رہے ہیں یہ تہذیب کے مزار
چاروں طرف ہے آتشِ نفرت لگی ہوئی
ناموس ہے لُٹا ہوا عصمت ہے داغدار

[1] شملہ سمجھوتے کے موقع پر کہی گئی نظم

ابتر خلوص و عشق ہے کھلی ہوتی وفا
انساں پہ اِس نگر میں ہے انسان ہی تاجدار
جذبات و کیفیات کا اظہار ہے گناہ
چنگیزیت کے موڑ میں ہوتا ہے اقتدار
جن پر ہمیں تھا ناز وہی بن گئے شریر
کب تک رہے گا مسئلہ دُنیا میں کاشمیر

•

لومڑ بنا ہے شیر اور خالی ہوا کچھار
جن پر کیا تھا فخر وہ نکلے جفا شعار
خوابِ گل و چمن پہ ہمیں ناز تھا مگر
تعبیر بھی غلط غلط اندیشۂ بہار
کتنوں کا گرم خون بہا لال چوک میں
کتنے تڑپ کے رہ گئے کتنے ہیں بیقرار
اک معرکۂ خیر و شر ہونے کو چلا ہے
فردوس گم شدہ کے ہر غنچے کی ہے پکار
آؤ مٹائیں زور سے کھینچی ہوئی لکیر
کب تک رہیگا مسئلہ دُنیا میں کاشمیر

•

وہ دیکھئے چلا ہوا میخانہ قدیم
سب رند خانماں ہوئے پیرِ مغاں یتیم
شیخِ حرم بہک گیا منظر پہ آگیا
ٹوٹا ہے جام جام تو بکھرا ہے خُمِ قدیم
آیا ہے عاصیوں کے لئے وقتِ احتساب
آغوشِ فرعون سے رخصت ہوا کلیم
پیدا ہوتے ہیں ولولے زندہ رم و خرام
ہر گلستاں کو چھونے چلا ہے دمِ نسیم
زندہ ہوا ہے نوجواں اور مر رہا ہے پیر
کب تک رہے گا مسئلہ دنیا میں کاشمیر

•

سولی ادھر ہے منتظر بیتاب میں ادھر
زنداں مرا ٹھکانہ ہے یہ چوبِ صلیب گھر
دنیا میں بااصول کا رتبہ یہی تو ہے
اس راہِ عاشقی میں لٹائے دل و جگر
اس بحر سیاست میں کوئی ناخدا نہ تھا
یہ جاں لیا ہم نے تو پانی میں ڈوب کر

اک موج بے کراں کی طرح اسکی ہر ادا
تصویرِ احتساب ہے اس کی نظر نظر
آخر کرے گی فیصلہ دُنیا تے دیر میر
کب تک رہیگا مسئلہ دُنیا میں کاشمیر

•

ملت کے نوجواں جو ہیں سرمایۂ حیات
تدبیرِ انقلاب ہے ان کی ہر ایک بات
میں دیکھتا ہوں ان کی تمنا کے زیر و بم
شعلوں کی حرارت سے بھرے ان کے خیالات
ہے ان کی رگ زیست میں طوفانِ آرزو
ان کی نظر جواب، ذہن ان کے سوالات
وہ بے دلی گئی نہیں ہیں بے زبانیاں
ہنگامۂ شعور میں اُبھرے ہیں واقعات
سُنتا ہوں روز ان کی یہ آوازِ فلک گیر
کب تک رہے گا مسئلہ دُنیا میں کاشمیر

ایک اخبار کے بند ہونے پر

ہوا آہستہ خالی میکدہ رندوں کی جرأت سے
نہ ساقی ہے نہ صہبا ہے نہ گردش ہے نہ پیمانہ

جلانا شمعِ غم کی انجمن میں ہے بہت آساں
بڑی مشکل سے ملتا ہے کسی کو سوزِ پروانہ

صداقت کے پرستاروں کی راہوں میں نہ اٹکاؤ
وہ پتھر جسکو خاطر میں نہیں لاتا ہے دیوانہ

بغاوت پر اتر آتے ہیں جب دنیا میں دل والے
قلم بیباک ہوتا ہے ادا ہوتی ہے مستانہ

نیا دور

جدتِ تہذیب کو کیوں ارتقا سمجھے ہو تم
خوش نما رہزن کو ساتھی پارسا سمجھے ہو تم

جن کے غمزوں سے فنونِ دلبری ہیں ریزریز
اِن ہی مہ پاروں کو تصویرِ حیا سمجھے ہو تم

اے شہیدانِ عروجِ الفتِ آدم یہ کیا
حضرتِ انسان کے خوں کو خطا سمجھے ہو تم

آستیں میں جن کے ہیں پوشیدہ ناگن بے شمار
اِن خریداروں کو ہی کیوں باوفا سمجھے ہو تم

رہروانِ شوق کی منزل سدا ہے بے حدود
ابتدائے عاشقی کو انتہا سمجھے ہو تم

پی رہا ہے خون پھر مزدور کا سرمایہ دار
روس کو تہذیبِ نو کا ناخدا سمجھے ہو تم

حسن کی تشہیر گاہوں میں وہ خود ہی آ گئی
جسکو اب تک بزم میں بنتِ حوا سمجھے ہو تم

مجذوب کی بڑ

آج جب عشق کے انداز بھی لگتے ہیں عجیب
آج جب حسن نے بیچا ہے سرِ راہ بدن
کئی چیخوں کی صداؤں رُلاتی ہے مجھے
کتنی ماؤں کے جگر گوشے ہیں بے گور و کفن
کسی بستی میں دُھواں اور یہ جھلسے پیکر
ہے یہ تعبیر بجا تیری مرے خوابِ وطن
گل و بلبل! ترے افسانوں کا راوی ہی گیا
برق نے اب کے جلا ڈالا چمن خاکِ چمن
جا رحیت بھی تو اِک نغمہ ہے قاتل کے لئے
اب تو شور یہ ہوتے ہیں جفاؤں کے بھجن
مانتا ہوں کہ زمانے میں سیاست ہے نئی
روز ہوتا ہے عدالت کی کتابوں میں غبن
میری باتیں تجھے لگ جائیں گی مجذوب کی بڑ
مجھے گستاخ بنا دیتی ہے دِل کی دھڑکن

اسلامی کانفرنس

ارضِ اسلام جو مدت سے تھی بے شجر و ثمر
آج منظور ہے قدرت کو یہ تجدیدِ بہار
راہِ تہذیبِ محمدؐ کی حفاظت کے لئے
ایک محور پہ ملے جن کا تھا مرکز سے فرار
جسکا گارا ہو مسلمانوں کے زعماء کا لہو
قوتِ باطل سے گرجائے کہاں ایسا حصار
شمعِ دیں جلنے لگی بزمِ خدا بین کے لئے
شرخ جنت کے مکیں ہونے لگے سینہ فگار
پھر بتوں سے ہوئے بدظن پاسبانانِ حرم
پھر صنم خانے میں توحید کی سنتا ہوں پکار
پھر سے تثلیث کی آندھی ہوئی مغرب میں دفن
پھر صلیبی سورماؤں کو ملے غم کے مزار
نقشِ تہذیبِ مسلماں کا اُبھرنا دیکھو
مسلماں پہ ہی اب دنیا کا ہے دارومدار

۲۴ فروری ۱۹۷۴ء لاہور

نورِ ایقاں سے سرِ نو ہوئے معمور وہ لوگ
جو تشکک کی وباؤں کے تھے صدیوں سے شکار
جسدِ ملّی میں نئی روح کو پھونکا تم نے
دیکھئے اُترا ہے رسوائی میں مغرب کا خمار
پھر اسی جام خدا بینی کو پینے آئی
درِ میخانۂ توحید پہ رندوں کی قطار
ساحلِ نیل سے لیکر خاکِ لاہور تلک
دلِ مُسلم میں ابھی باقی ہیں ایماں کے شرار
رُخِ تاریخ پہ عنوانِ مسلماں اُبھرا
وہی کلمہ وہی قرآں وہی حق کی تلوار

سوغات

عشق کا سازِ حسن کی آواز
زندگی خود ہے مرکزِ نغمات
سب ترے پاس لائے ہیں افکار
اور میرا ضمیر ہے سوغات
جو قفس میں بھی اُڑ نہیں سکتے
ان کے ذوقِ عمل پہ ہو ہیہات
عقل والے ہی فیصلہ کرلیں
زندگی ہے جنازہ یا کہ برات

رفتار

محبت ابتداء تھی مجھے جن ماہ پاروں سے
میں جنکو فوقیت دینے چلا تھا چاند تاروں سے
وہ دنیا جب رگ و پے میں خلش تھی بے قراری کی
وہ دُنیا جب مذاقِ دلبری تھا بادہ خواروں سے
نہ کوئی صبح تھی اپنی نہ کوئی شام تھی اپنی
یہ دِل مجروح تھا اے حُسن تیرے شاہکاروں سے
نہ اندازِ نظر تھا سیرتِ محبوب کا قائل
نہ آغازِ جنوں کی تھی رقابت بے قراروں سے
بہت پھیکا پڑا تھا خاکدانِ اضطراب اپنا
محبت جل گئی تھی آتشِ دِل کے شراروں سے

•

ابھی تک زلف و کاکل کے مطالب ہم نہ سمجھتے تھے
ابھی تک شوخ رفتاروں کے آنچل میں ٹھکانہ تھا
ابھی تک حُسن کی رعنائیوں پہ تھی نظر اپنی
ابھی سیمیں تنوں کو خوب ہم نے آزمانا تھا
ابھی تو سُرخ رخساروں پہ تھی آمادگی اپنی
ابھی کچھ لغزشوں کو اپنے پہلو میں چھپانا تھا

ابھی کچھ وارداتوں کو جنم دینا تھا محفل میں
ابھی کچھ لذتوں کا بار گردن پر اُٹھانا تھا
ابھی تھیں گُل رخوں کی انجمن آرائیاں باقی
ابھی باغیچۂ دل چند کلیوں سے سجانا تھا
ابھی تھے زخم ہائے دل غنیمت نوکِ مژگاں کے
ابھی آنکھوں سے اشکِ آرزو ہم نے بہانا تھا

•

نظر میں سوز میں قلب و جگر میں انقلاب آیا
جنوں کا ورطۂ سیلاب آیا بے حساب آیا
وہ یادیں زخم بن کر جو میرے پیکر پہ اُبھری تھیں
یکایک سینہ و دل میں مخالف اضطراب آیا
اُمنگیں شک سے گذریں حوصلوں کی انجمن جاگی
ہوس کے سارے تہہ خانوں میں روزِ احتساب آیا

بادلِ ناخواستہ

ہمسفر دن رات ہے تیرے خیالوں کا ہجوم
اپنی تنہائی کو آخر انجمن کہنا پڑا

تا نہ دے الزام کوئی بھی قدامت کا مجھے
آج کی عریانیوں کو بانکپن کہنا پڑا

تاکہ میری جاں نہ لے سختیِ دار و رسن
ہر سیاست داں کو شیریں دہن کہنا پڑا

میری یہ بلبل نوائی ہو نہ تہمت کی شکار
خارزاروں کو بھی پھولوں کا چمن کہنا پڑا

تاکہ غیروں کی خوشامد سے میں کہلاؤں ادیب
ہر کسی مجذوب کی بڑ کو سخن کہنا پڑا

تا رگ و پے میں اُتر جائے نہ زہرِ اقتدار
رہزنوں کی ٹولیوں کو انجمن کہنا پڑا

تاکہ میری خلوتوں کا ہو نہ جائے انکشاف
نغمۂ آوارگی کو فکر و فن کہنا پڑا

برقِ تغزّل

روز ہوتی ہیں وَرپے مرے سازشیں روز ہوتے ہیں ان کے ارادے عیاں
جس کسی انجمن سے گذرنا پڑا لطف یہ ہے کہ میں ہی تھا موضوع وہاں
نور آگیں تصور کا یہ فیض ہے یا رقیبوں کی ہیں فتنہ سامانیاں
میں کسی اور کی آگ میں جل گیا پھر یہ تہمت کہاں کی ! ہے عشقِ بتاں
میں کبھی آرزوؤں کا طوفاں ہوں گاہ شبنم کی مجھ میں حلاوت بھی ہے
میری تخلیق میں حسن کا ساتھ ہے میری تصویر میں عشق کے ہیں نشاں
میں گوارا اگر ہوں نہ تہذیب کو میرے پیچھے ہیں جلاد بس اس لئے
نغمہ میرا ہے کیوں انقلاب آفریں شعر میرا ہے کیوں جذبۂ نوجواں
بوٹیاں میری نوچو کوئی غم نہیں ٹکڑے میرے اڑاؤ بڑے شوق سے
مختصر ہوگی کیونکر نویدِ جنوں اور خاموش آتش بیاں کی زباں
میری غیرت کی دنیا کا یہ حال ہے فکرمندی کی شمعیں فروزاں نہ ہوں
عقل کی روشنی میں بھٹکنا پڑا عشقِ خورشید ہے اور میں کارواں
رنج و راحت کی آمیزشیں دیکھ کر اپنے ہمسرانہ سارے جھجکنے لگے
ساتھ آئے نہ وہ وحشتِ پُرخار میں جنکو سمجھا تھا اپنے کبھی مہرباں
میں بھی ایوانِ تقدیرِ ملت میں تھا میری روحِ جسارت کو کچلا گیا
آمروں نے یہ کہکر دھکیلا مجھے رہ نہ پائے یہاں ایسا شعلہ بیاں

بجلی بیچارا افعی کو بھی مار دے ان کی خاطر سجائی گئی محفلیں
میرے پاؤں میں زنجیر ڈالی گئی جب بھی میں نے لی الفت کی انگڑائیاں
میرے گھر کی تباہی میں غیروں کا کیا سب مکینوں کی غفلت پہ موقوف ہے
برق یورپ بھی آوارہ جب گر گئی خود ہی حاضر یہاں تھا مرا آشیاں
کیوں نہ کلیوں کی عصمت کو لٹنا پڑے کیوں نہ پھولوں کا جوبن جواں مر گیا ہو
رنگ لائے گی کیا نرگس و یاسمن باغ ویران ہے سویا ہوا باغباں

حرارت

بجھ گئی ہے دلِ کے عالم کی حرارت آجکل
اُجڑی اجڑی سی ہے دُنیائے محبت آجکل
کس طرح تاریخ دہرائے فضائے کربلا
ایک افسانہ ہے احساسِ شہادت آجکل
دینِ استغنا کتابوں میں مقفل ہو گیا
بُزدِلوں نے زندہ کی اپنی شریعت آج کل

چشمِ بیدار سے

جب وقت سجدہ معرکۂ کرب و بلا ہو
اس لحظ زیرِ تیغ ہی ایماں کو دیکھنا

کیا دیکھتے ہو لالہ رخوں کی جوانیاں
ہے وقت اپنی زلفِ پریشاں کو دیکھنا

عشاق سازشوں کی کمندوں میں آ گئے
یوں ہی نہ اب رقیبِ مہرباں کو دیکھنا

کل ہو گا ان کا ہم سے جہاں پر مقابلہ
میرے رفیق آج ہی میدان کو دیکھنا

راس آئیں گی کہاں ہمیں پھولوں کی زینتیں
ہے خوئے عاشقی یہی زنداں کو دیکھنا

عریانیِ وجودِ تقدس کہیں نہ ہو
کتنا ہوا ہے چاک گریباں کو دیکھنا

جو دیکھنا ہو عفت و عصمت کا کاروبار
ہر کوچہ و گلی کے شبستاں کو دیکھنا

جو دیکھنا ہو آتشیں ماحول کا سماں
میرے دیارِ شعلہ بداماں کو دیکھنا

جو دیکھنا ہو اپنے شہیدوں کا اضطراب
سولی پہ چڑھے شوق سے انسان کو دیکھنا

بے حس پڑی ہے اُمتِ مرحوم دیر سے
نزدیک تر ہے مزد کی طوفاں کو دیکھنا

غیروں کے قصر و بام پر جتنے بھی ہیں چراغ
جلتا ہے ان میں خونِ مسلماں کو دیکھنا

جو بھی حقیر شے ہے زمانے میں آج کل
اسکی مثال حضرتِ انسان کو دیکھنا

غنچے شہید ہو گئے کلیاں لہو لہو
یہ کہہ رہی ہے خونِ گلستان کو دیکھنا

صیاد تیر پھینک رہے ہیں اِدھر اُدھر
زد میں کہیں نہ آتے غزالاں کو دیکھنا

شہید

تجھ سے ہی پُر نور ہے ہر دم ضمیر کائنات
تیری ہی حرکت سے قائم یہ جہانِ جستجو
تیرا انداز نظر تخلیق ہے تاریخ کی
تیرے کردارِ عزیمت میں نہیں لاتقنطو
تیری بیباکی سے شیروں کے بھی اُڑ جاتے ہیں ہوش
تیرے ریشے ریشے میں ہے یہ انقلابِ چارسو
تجھ سے بڑھ جاتا ہے آگے شورشوں کا کارواں
تجھ سے جلتا ہے شبِ غم میں چراغِ آرزو
تیری آنکھوں میں اصولوں کے تحفظ کا خمار
تیری نیت ہے جہاں میں پیکر لاتحزنو
مدعا تیرا الیقین سے ہو جدا تخمین و ظن
ہے تمنا تیری حسنِ بندگی کی آبرو
تیرے سینے میں ہے رقصاں بندگی کا اضطراب
ہے سراسر آبروئے زندگی تیرا لہو
تجھ سے ہے قائم بساط رونقِ چوب صلیب
تجھ سے ہے باقی مئے توحید کا جام و سبو
تیری اک ہی ضرب سے ہے کوہِ باطل میں شگاف
لرزہ براندام ہیں تیری ادا سے کاخ و کو

عرب نوجوان[1]

بوئے یثرب کی ہوائیں ہیں معطر آج بھی
جاں فزا بطحیٰ کی ہیں ساری فضائیں آج بھی
خیرہ کن اس سرزمیں کی ہیں ادائیں آج بھی
رنگ لا سکتی ہیں مومن کی دُعائیں آج بھی

ملّتِ مرحوم کے اندر کا انساں زندہ ہو
شرط ہے خونِ عرب میں جوشِ ایماں زندہ ہو

نوٹ: مئی ۱۹۷۴ء میں ایک فلسطینی طالب علم جودت محمد نجیب سری نگر کے انجینئرنگ کالج میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے آیا۔ اپنا ایک عزیز کے ناطے اس سے تعارف ملاقات اور پھر دوستی ہوگئی۔ یہ نظم اسی رشتے کے تاثرات کے تحت لکھی گئی۔

•

ناصری پندار تھا اک حرفِ باطل مٹ گیا
ہے سلامت آج بھی دینِ مبینِ مصطفےٰ
نوجواں مصری ہو شامی ہو فلسطینی بھی ہو
باعثِ غیرت ہے اسکے واسطے حسن النباءؔ
تو اگر خواہاں ہے تیرا پیکرِ جاں زندہ ہو
شرط ہے خونِ عرب میں جوشِ ایماں زندہ ہو

•

سر ترے ہاتھوں میں ہو کاندھوں پہ تیرے ہو کفن
بلبلِ توحید ہو تو دین ہو تیرا چمن
کلمہ ہو دنیا تمہاری بُت نہ ہو تیرا وطن
خنجر و قرآں ہو تیری زندگی کا بانکپن
آرزو تیری ہے جو مردِ مسلماں زندہ ہو
شرط ہے خونِ عرب میں جوشِ ایماں زندہ ہو

•

تو زمانے میں صنم خانوں کا درباں ہو گیا
مغربی افکار کے پیچھے پریشاں ہو گیا
چھٹ کے رحمن سے تو کیوں پابندِ شیطاں ہو گیا
حسنِ یورپ کی کثافت پر مہرباں ہو گیا
مدعا تیرا ہے پھر بھی ذوقِ عرفاں زندہ ہو
شرط ہے خونِ عرب میں جوشِ ایماں زندہ ہو

•

کیوں تری غیرت زمینِ سینہ میں خوابیدہ ہے
کیوں ترے دل میں تمنا آج آرامیدہ ہے
کیوں ترا جوش و جنوں اک معنیٔ پیچیدہ ہے
آنکھ تیری کیوں نہ صبح و شام کی نم دیدہ ہے
ہے تری اُمید قائم نورِ اقبال زندہ ہو
شرط ہے خونِ عرب میں جوشِ ایماں زندہ ہو

پیش گوئی

حسن چمکے گا پھر اک نئی شان سے عشق پیدا کرے گا نئے زیر و بم
دِل بھی تڑپیں گے لیکن نئے روپ میں سر میں لیگا نیا ہی تخیل جنم
فن کو فنکار بیچیں گے مے کے عوض شعر نیلام ہوں گے طوائف کے گھر
اک قیامت اُٹھے گی دبستان میں ڈھائے جائیں گے فن پر ہزاروں ستم
چور ہوں گے انعامات کے مستحق انقلابی بنیں گے یہاں راہزن
ضعف ہوگا جسارت کے بدلے عیاں اور غیرت پہ ٹوٹے گا کوہِ الم
پوجے جائیں گے عورت کے تازہ ادا بندگی کے نئے راز کُھل جائیں گے
جسم عریاں کو دیکھ کر نوجواں کر ہی ڈالیں گے اپنی جبینوں کو خم
بھوک افلاس اور تنگ دستی کا دور ہوگا آدم بکیں گے گلی در گلی
ایسی جمہوریت سے جو نالاں ہیں اُن کو زنجیر پہنائیں گے آپ ہم
کم نہ ہو جائیں گی بزم آرائیاں جلسے ہوں گے بہت شہر و دیہات میں
خود غرض رہنماؤں کی تقریر کو لاکھ لاشیں شہیدوں کی ہوں گی بہم
جو بھی بغلوں میں دشنے دبا کر پھریں جن کے اندر کا انسان درندہ بنے
ان کی خاطر سجیں گی یہاں محفلیں آدمیت میں ہوں گے وہی محترم

عیدِ سعید

عیدِ سعید آگئی ارماں لئے ہوئے
ماتم زدوں کو فکرِ شہیداں لئے ہوئے

وہ جنکی زندگی ہے متاعِ گراں بہا
ان صورتوں کو دعوتِ عرفاں لئے ہوئے

وہ جنکے دل میں عشق کے شعلے نہ بجھ سکیں
ان سیرتوں کو حسن کا ساماں لئے ہوئے

وہ جن کا سوز و ساز ہے اُمید و التجا
اِن عاجزوں کو عجز کا درماں لئے ہوئے

وہ جن کی بندگی ہے فقط حق کے واسطے
اِن مخلصوں کو شوخیٔ احسان لئے ہوئے

وہ جن کو قید و بند کی ہیں صحبتیں عزیز
اِن غازیوں کو تحفۂ زنداں لئے ہوئے

وہ جن کی عید آج ہے اپنے وطن سے دور
اِن صابروں کو آتشِ ہجراں لئے ہوئے

امامِ ثابت قدم رضؓ

جس نے بیچی نہ اپنی متاعِ خودی اس پہ چلتی نہیں وقت کی ساحری
کائناتِ طلسمات کی کافری بھول جاتی ہے اپنی اداؤں کا فن
خون تقدیر ہے خون تدبیر ہے خون تعمیر ہے خون تقسیر ہے
خون خنجر ہے تلوار ہے تیر ہے خون سے ہی ہے نشو و نمائے چمن
نارِ نمرود ہو زورِ فرعون ہو یا یزیدی تظلم کوئی غم نہیں
حسنِ انسانیت کی بقا کے لئے عشقِ شبیر دنیا میں ہے بادزن
جسکو کہتے ہیں دنیا میں بزمِ ہنر جسکی تعریف ہے کائناتِ جگر
اس کے پہلو میں تو نے سہے نشترِ عزم ثابت ہوا آپ کا بُت شکن
حوصلے پست انداز گھائل کہاں عزم لاغر نہیں آرزو مضمحل
جن کو منظور ہے ہنستے کھیلتے قید و زنجیر بندوق و دار و رسن

زنجیر

زندگی بے غم جگر بے دردِ دل بے اضطراب
دورِ نو کے نوجواں کی ہے یہی تصویر دیکھ
اے حریفِ سوزِ جاں اے دشمنِ رمزِ انا
پابہ جولاں ہوں مری مضبوطیٔ زنجیر دیکھ

اقبال

جسے مغرب کے میخانے میں ایماں ہی محافظ تھا
وہ رندِ پاک طینت صاحبِ بے باک تم بھی ہو
جسے حسنِ بشر کی بے حیائی نے نہ تڑپایا
زمینِ شاعری میں ایک جسدِ پاک تم بھی ہو
وہ جس نے عشق کی محفل کو گرمایا صداقت سے
وہ جس کا سوز تھا دل آنکھ تھی نمناک تم بھی ہو
وہ جس کی ضربِ حق نے توڑ دیں مُلا کی ایجادیں
وہ جس نے پردۂ یورپ کیا ہے چاک تم بھی ہو
مشینوں کا تمدن گو ثریا کو بھی چھو لے گا
نئی تہذیب میں اک عطیۂ لولاک تم بھی ہو
وجودِ فکر و تصویرِ نظر کو دیکھنے والے
یہی کہتے ہیں دونوں صورتوں کی ناک تم بھی ہو
پڑھایا نوجوانوں کو سبق خارا شگافی کا
ہلا کر رکھدی جس نے دانشِ چالاک تم بھی ہو

شاعر اور دوشیزہ

دوشیزہ

ہم غنچہ ہائے حسن کا احوال واقعی
اے شاعرِ زمانہ تجھے کیا خبر بھی ہے
برپا ہمارے دِل میں ہیں اکثر قیامتیں
کیا عاشقوں کی حشر دروں پر نظر بھی ہے
عصمت فروش میری ادائیں تو ہیں ضرور
غیرت فروش آپ کا قلب و جگر بھی ہے
شمعیں بجھا رہی ہوں وفاؤں کی راہ میں
تاریک ترے عشق کا نازک سفر بھی ہے
مانا کہ حیا سوز ہے میرا ہی رقص شام
خالی گداز سے تری لیکن سحر بھی ہے
تو کوستا ہے مجھ کو مری شوخیوں پہ کیوں
عریاں تری شرارتوں سے یہ ہنر بھی ہے

شاعر

برقِ خیال یوں نہ گراتے ہیں نازنین
گستاخ اس طرح نہیں بنتے ہیں مہ جبیں
شاعر ضرور ہوں مگر میں باشعور ہوں
میرے سبوئے فکر میں ہے بادہ یقین
ھمدرد آپ کا ہوں میں عاشق نہیں نہیں
مجھ پہ حرام ہیں یہ کثافت بھرے حسین

•

دوشیزہ

میں لذتِ وجود کی مشتاق ہوں ضرور
لیکن میں خود ہی کلب کا سامان نہ بن گئی
نغموں کی تان بن کے گناہوں کے شہر میں
اپنی پسند سے ہی میں شیطان نہ بن گئی
پیروں نے لیڈروں نے جوانوں نے سبوں نے
چھینا نقاب میرا میں جانا نہ بن گئی
ان کو لبھاتی ہے مری شادابیٔ شباب
خود کائناتِ دل میں اک ویرانہ بن گئی

شاعر

اپنے مقام سے اگر واقف تو ہو سکے
تیرا ضمیر غیرتِ زہرا سے کم نہیں
اپنے وجود پر اگر قابو تو پا سکے
تیرا شرر نورِ تجلیٰ سے کم نہیں
اپنے جمال کی اگر تو پاسباں بنے
تیرا جلال عرشِ معلیٰ سے کم نہیں

دوشیزہ

میری ملس سے تیری تمناؤں کا سکون
تاجر بنا ہے تو میرے پیکر کا صبح و شام
سانسوں پہ میری آپ کی نیندیں ہیں منحصر
تیرا کرم ہے یہ کہ ہو مجھ پر سکوں حرام
بدلے گا تو تو میں بھی بدل جاؤں گی ضرور
کافی نہیں لبوں سے وفاؤں کا احترام

شاعر

تیری وفا کا رمز تسلسل تو ہے بجا
عاجز ہے زمانے میں تری ہر نئی ادا
تیرا وجود کچھ نہیں لذت کے ماسوا
تیرا شباب کچھ نہیں اک جامِ بے بقا
اتنا مگر اے اشکِ کی تصویر تبا دے
تیرا ضمیر کیوں نہیں خوددار و باحیا

دوشیزہ

میری رگ حیات میں نشتر لگائے
میرے جگر سے گوشت کے پرزے اٹھائے
میرے درد وں پہ عقل کا کمشن بٹھائے
میرے عیاں کا فیصلہ دل سے کرائے
جلتی ہے شمع زندگی میرے وجود میں
اپنے ضمیر کو ذرا تو بھی جگائے

نفسیات کی سرگذشت

راستے میں ایک دن مزدور سے
چلتے چلتے میں ہوا تھا ہمکلام
دیکھ کر اس کی زبوں حالی بغور
میں نے پوچھا کیسے حاصل ہو مقام
شان استغنا سے اس نے کہہ دیا
مارکس بن جائیں گے جب پیشوا

انجمن میں ایک دن بحاث سے
میں نے پوچھا باادب سیدھا سوال
کس طرح تعمیر ہو یہ زندگی
کیسے ہوں افکار و ایمان ہم خیال
بحث کے انداز میں واضح کیا
جب ہو افلاطون ہمارا پیشوا

▲ بزم میں اک نکتہ داں کو چھیڑ کر
میں نے پوچھا کیا ہے تخلیقِ حیات
ساز کیا ہے سوز کس کا زیر و بم
کس کی ہے ایجاد نقشِ کائنات
کہدیا تب ہوگا حل یہ مسئلہ
مان لیں سقراط کو ہم پیشوا

▲ ایک محفل میں کسی شاعر کے ساتھ
اک غزل میں بھی سنانے آگیا
میں نے شاعر سے کہا یہ سازِ دل
کس طرح رگ رگ تری گرما گیا
کہدیا آساں ہے جو تو نے کہا
مان لے عورت کو اپنا پیشوا

▲ ایک جلسے میں کسی لیڈر کے ساتھ
مشکلاً اک بات میں بھی کر سکا
میں نے پوچھا کس طرح بدلے گی قوم
زندگانی کا ہے کیا رازِ بقا
لب ہلائے اور فوراً کہہ دیا
فرعون جب ہوں ہمارے پیشوا

▲ پیرِ صلا سے بھی اک صحبت رہی
عود کر آئی پُرانی دِل لگی
عرض کی کیا ہے عروجِ زندگی
کیسے حاصِل ہو شعورِ بندگی
گو کہ برہم ہو گئے پھر بھی کہا
آستانہ قوم کا ہو پیشوا

▲ ایک دعوت میں کسی حاجی کے ساتھ
حجِ بیت اللہ پر باتیں ہوئیں
تحفہ کیا لائے ہو یثرب سے کہو
صرف کس مقصد پہ یہ راتیں ہوئیں
کہدیا حج سود مند اُس کا رہا
جس نے مانا تھا سمگلر پیشوا

▲ ایک کالج کے ملے اِک لیکچرر
فکر کے دریا میں گویا غوطہ زن
عرض کی میں نے کہ کیا ہے ارتقا
کِس کی ہے تخلیقِ آدم کا چمن
ابنِ میمون کا ذہن فوراً کھُلا
مانتا ہوں، ڈارون کو پیشوا

ایک پی ایچ ڈی بھی میرے دوست ہیں
لائبریری میں وہ ملتے تھے ضرور
ایک دوپہر کو کہ بس ہم دو ہی تھے
میں نے پوچھا غیب کیا ہے کیا حضور
کہدیا کریوشل ہے ایسا ایڈیا
گوئٹے کو مانتا ہوں پیشوا

امن کی کونسل تھی اور میں بھی گیا
دورِ نو کے عاقلوں کا تھا ہجوم
مے انڈھیلی جا رہی تھی ہر کہیں
کونسلر تھے یا کہ اشجار زقوم
ساری تقریروں کا جوہر بس یہ تھا
ہو ہلاکو خان ہمارا پیشوا

روپ ریکھا

آج کا آدمی :-

عادت میں طبیعت میں شرافت میں چلن میں
خونخوار درندوں کا ہے اُستاد آدمی
چالوں میں تفکر میں تدبر میں ہُنر میں
ہے طائرانِ وقت کا صیاد آدمی

آج کا انسان :-

ابلیس کہہ رہا تھا ہمالہ کے بام پر
میرا جو تاج وتخت تھا انسان وہ لے گیا
میں نے جہانِ نو کی حکومت ہی چھوڑ دی
بندہ خدا کا میرا خلیفہ بھی بن گیا

آج کا مفتی :-

کذاب جمع ہو گئے اک ٹی سٹال میں
کہتے تھے کون ہو گا ہمارا امام وقت
اک کہنہ مشق نے کہا سنجیدگی کے ساتھ
مفتی سا کون ہو گا زمانے میں نیک بخت

آج کا واعظ :-

طلبہ سے ایک مدرسہ میں لکچرار نے
پوچھا کہ کس کے قول و عمل میں تضاد ہے
واعظ کا نام لے کے اک لڑکا یہ کہہ اٹھا
دادا سے سُن چکا ہوں یہی اب بھی یاد ہے

آج کا مولوی :- محلے میں ایک مولوی رہتے تھے ان دِنوں
مسجد میں فقط جمعہ کو آنا تھا گوارا
اک دِل جلے نے اس کی وجوہات پوچھ لیں
بولے کہ ہند میں ہے جماعت سے خسارا

آج کا اُستاد :- اک شہر میں کہ اکثریت اَن پڑھوں کی تھی
کونسل میں ان کے رکن کا ہونا تھا لازمی
کم علم کو نمائندہ چننے کی تھی تلاش
ساروں کی نظر حضرتِ اُستاد پہ پڑی

آج کا جنٹلمین : عورت کی طرح بال ہیں بیل باٹم لباس
گا گل بڑے بڑے ہیں تو نکٹائی لمبی لمبی
مسجد کی اذانوں سے ہے ہر وقت بدحواس
اس سے بڑی ہو اور کیا حضرت کی کہانی

آج کا لیڈر :- لوگوں نے جیب سے زیچ دیا دِل شکم کے ساتھ
دُنیا پہ ملحدوں کی قیادت بھی چھا گئی
مذہب سے بغاوت ہے جہاں میں جنہیں پسند
حصے میں ان کے لیڈری آخر کو آگئی

آج کا عاشق

مجنوں و کوہکن کی زمانے میں دھوم ہے
عاشق تھے لٹاتی متاعِ ساری وفا کے ساتھ
اِس دور کا ہے بلبل و پروانہ ہوسناک
جو کھیلتا ہے شمع و کلی کی حیا کے ساتھ

آج کا شاعر

ہر چند کہ میں خود بھی ہوں اِک شاعرِ غیور
ہیں زندہ میرے دم سے خیالاتِ عرش گیر
میری قدامتوں پہ نیا فن ہے طعنہ زن
کیوں میرا تخیل نہیں ہے زُلف کا اسیر

آج کا ادیب

تھا عظمتِ خدا کا کبھی ترجماں ادیب
تھا حسنِ کائنات کا بھی پاسباں ادیب
جب سے گدائے کوچۂ حسنِ بتاں ہوا
فلموں میں پاس کر رہا ہے امتحاں ادیب

آج کا صحافی

رشحاتِ قلم جن کے کبھی زلزلے بھی تھے
اب ہر نئے سورج کی پرستش اِن ہی سے ہے
تھا کھوٹے کھرے کا یہی بے باک مصور
ہر افترا کی آج کل ورزش اسی سے ہے

آجکا — جس کا یہ کام تھا کہ کرے رنگ و نور ایک

مصور:- ابتدا اسی کا آج ہے شیرازۂ خیال

ماضی میں خونِ دل سے وہ خاکوں کو بھر گیا

کاغذ کے پھول پر ہے فدا آج اس کا حال

آجکا — عرفان و آگہی کے سمندر کا یہ غواص

شیخ:- اب فنکاروں کے فن میں سیاہ کار بن گیا

جس کے ضمیر سے کبھی دنیا تھی مستفیض

سجادہ نشین ہو کے وہ مکار بن گیا

آجکا — روشن ضمیر و صاحبِ ارشاد تھا کبھی

عارف — ہر زخم کی دوا تھی دعائیں جناب کی

جب سے متاعِ عالمِ نو کا ہوا حریص

مکاریوں سے پُر ہیں ادائیں جناب کی

قلبِ حیات و مرکزِ عالم ہے مفکر

آیات و اشارات کی تفسیر یہی ہے

افسوس کہ اس دور کا ہر سوچنے والا

سمجھا ہے خودی کو خدا تقصیر یہی ہے

آج کا مہذب :۔ استعاطِ حمل، نس بندی پردے سے بغاوت
بیوی کی نوکری بھی اور ہوٹل کی ضیافت
تھیٹر میں دن تو کلب میں راتیں بسر کرے
ایسے ہی مہذب کو دو دُنیا کی قیادت!

آج کا سپاہی :۔ کہتے ہیں کبھی پاسباں عزت کا یہی تھا
ہر فرد بشر کا ہے نگہباں سپاہی
بٹوارے نے یہ کر دیا ثابت کہ ہند میں
سو بار سپاہی نے تباہی ہی مچائی

آجکا وزیر :۔ تجھ کو بھی ہے پسند اگر زر زمین و زن
پُرکیف و پُر نشاط ہو تیرا رہن سہن
عشرت کدوں کی زندگی محبوب ہے اگر
چوری کے ووٹ جیت اور پیارے وزیر بن

آجکا فلسفی :۔ حاصل ہے فلسفی کو اگر حسنِ گفتگو
پھر بھی عروسِ فکر کی خوبی جمالِ خام
اک روز خضر نے کبھی مجھ سے پتے کی بات
معراج فلسفے کی ہے بولو صبح کو شام

آجکا — عاقِل کہ بوتراب تھے بچپن کے باوجود

عاقِل :- لاکھوں دِلوں سے کشتہ کے ملے اک سوال سے

اس دور کا ہو پہلوی علوی کہ ہاشمی

خود کو نکھارتا ہے بس مغرب کی دھول سے

آجکا — صدیقیت کی راہ پہ ہوتے ہیں گامزن

صدیق :- ظاہر ہے جس کا آئنا باطن ہے صدقتا

اب دیکھنے میں آتے ہیں صدیق وہ نفر

سو بار دیکھ کر بھی کہیں گے کہ کیا ہوا؟

آجکا — اک ڈاکٹر سے پوچھ لیا میں نے کہ امراض

ڈاکٹر :- لگ جائیں اگر روح کو ان کا علاج کیا

بولے کبھی دوا تھی عبادت میں خوب تر

اِس دور میں سنگیت ہے اس درد کی دوا

آج کا — ہم ابن بطوطہ کو نہ روئیں تو کیا کریں

سیاح :- سیاح یہاں آتے ہیں بے دین و ہوسناک

اُس کی نظر تھی پاک وفا پاک ادا پاک

اِن کا یہ کام ہے کہ حیا کی ہو قبا چاک

آجکا انجینیئر:-

انجنیئر سے ایک دن از راہ دوستی
پوچھا کہ کیا بنایا ہے تو نے پل صراط
عقل و یقین کو تھام کر رشوت کی زبان سے
بولے کہ زاہدوں کو ہے لازم یہ احتیاط

آجکا پروفیسر:-

اک پروفیسر کہ کام ہے تحقیق سے انہیں
میں نے کہا کہ شیرادِ بکرے کی جنگ کیا؟
تحقیق نوکری کی غلامی میں آگئی
فرمایا مولوی کی غلط شیخ بے خطا

عورت

طبع حریر جسکو خدا نے عطا کیا
جس کی رگوں میں خون وفاؤں کا بھر دیا
شوہر کے لئے تھی کبھی یہ حسن آفریں
عنوان آج ہے یہی ہر اشتہار کا

آجکا نوجوان:-

مژگان عصر نے جسے گھائل بنا دیا
بجھنے کو اس کے دم سے ہے اب آتش حیات
روتا ہوں دور نو کا یہی نوجواں تو ہے
اظہار لڑکیوں کا ہے کردار واہیات

آجکا ہنگام ناؤ نوش کا سرخیل زیر و بم

فن کار :- بے ہودگیوں کا ہے زمانے میں طرفدار
بے داغ رہے کیسے حسینوں کی جوانی
فرقت زدہ نہیں ہے ہوس سے ہے بیقرار

آجکا چنگیز و ہلاکو کی ہے اولاد ابھی تک

حاکم :- قائم جہانِ نو میں طبیعت کے ساتھ ساتھ
ہو سلطنت میں کوئی بھی حق آشنا اگر
بے دخل اسکو کرتے ہیں حاکم وفا کے ساتھ

آجکا تہذیب و تمدن کا بڑھایا نہیں تو کیا

قاتل :- انسانیت کو بیچ کر کھائیں ہو جو بڑے"
جسکو ملا ہے قلبِ دردمند و غم شناس
قاتل وہی ہے اور وہی جیل میں سڑے

آجکا درماندہ اجنبی ہے زمانے میں آج کل

چالاک :- وہ آدمی سماج میں جو ڈھونڈے حلال
دنیا میں دھاندلی کی سند جس کو مل گئی
کہتے ہیں سخن ور اسے چالاک و باکمال

آج کا تاجر:-

اللہ نے بخشی ہے تجھے جنسِ وجوانی
سمجھو گے مرا نکتہ کہ ہے ایک کہانی
تاجر نے سجائی ہیں اب عصمت کی منڈیاں
ہوشیار کہ بدلے ہیں تجارت کے معانی

آجکی حور:-

سب لالہ رخاں، لعل لباں سیم تناں آج
حوروں میں اپنے آپ کو کرنے لگے شمار
ہاتف نے کہا غیب سے ان گل بدنوں کو
دوزخ کے جوانوں کو تمہارا ہے انتظار

آجکا کتب فروش:-

قرآں خریدنے کو گیا تھا بزار میں
ہر اک گلی میں کم سے کم تھے دس کتب فروش
ہر اک سے کہا مجھکو ہے قرآں کی ضرورت
فرمایا اب سماج کو ہے ناولوں کا جوش

آج کا محبوب:

اقبال و ثنائی کو خدا اجر خیر دے
محبوب اسکو کہہ گئے دل جس کا ہو وجود
غالب کے پرستار ہیں کیٹس کے طرفدار
سمجھے ہیں زلف والیوں کو معبد و مسجود

آجکا وکیل:-

منہ پھیر عدالت میں ہوئی اک وکیل سے
گاہک کچھ کہے ہاتھ ملاتے ادب کے ساتھ
حضرت میں جھوٹ بولنے میں باکمال ہوں
کیا شک ہے کہہ اٹھا اگر ہو تو مرے ہاتھ

جمہوریت نامہ

نلکے ہیں جابجا مگر پانی کا کال ہے
کھمبوں پہ تار ہے مگر بجلی محال ہے
چرچے ہیں آج کل اگر سستے اناج کے
حق یہ ہے بھوک سے یہاں ہر اک نڈھال ہے
انکم سے افسروں کے فلک بوس ہیں مکاں
دفتر سے ان کے گھر تلک رشوت کا جال ہے
کس پر عیاں کروں کہ کیا کچھ ہے غمِ حیات
ہونٹوں میں اپنے قید خود اپنا سوال ہے
رنگیں ہے چائے کھانڈ مرچ زرد چوب نان
کتنا حسین آج مِلاوٹ کا مال ہے
وہ دن گئے کہ شہر میں راشن تھا صاف صاف
کیڑوں کا آج اس میں دوگونہ عیال ہے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
ہر اک وزیر کو فقط اپنا خیال ہے

خبردار

ہے جو بھی زمانے کے مدوجزر سے واقف
وہ فرقہ پرستوں کی نظر تاڑ چکا ہے
چنگیز کی تلوار بھی چمکی مگر اک بار
ہندوستان کی رات دن خونین فضا ہے
راون کے طرف دار ہیں یہ رام کے پیرو
ان ہی سے تار تار اب سیتا کی ردا ہے
یہ بت تراش ہیں مگر مندر فروش بھی
انسان کا لہو ان کے لئے تازہ غذا ہے
بھارت کی ہر اک اقلیت کی خیر ہو یارب
اک اژدہے سے کم نہیں جن سنگھ کی وفا ہے

بشیر الحق کے نام[1]

فلسفہ بن جاتے گا کیونکر نظام زندگی
دین بتلاتا ہے انساں کو مقام زندگی
دیدیا مغرب نے انساں کو فسوں کاری کا درس
کب ہمیں منظور تھا بنا غلام زندگی
مصطفےٰ کا امتی مرعوب ہو سکتا نہیں
سیکھنے والا سکھاتے احترام زندگی
ہیں اگر افکار مغرب کے بڑے مہماں نواز
ہے وہاں خالی شراب غم سے جام زندگی

[1] اب کشمیر یونیورسٹی میں عمرانیات کے استاد

محاذ

چند ابلیسوں نے قبرستاں میں
شوق سے مِل جُل کے کھودی اِک قبر

میں نے پوچھا لاش ہے کِس کی یہ کون
بُجھ گیا ہے جیسے اِک چھوٹا شرر

روتے روتے اِک شیطاں نے کہا
شاعروں کو کیا نہیں اُس کی خبر

تھا جنم دِن سے ہی نابینا محاذ
راستے میں کچھ نہ آتا تھا نظر

کل کسی کونسل میں جانا تھا اُسے
چلتے چلتے پھوڑ ڈالا اپنا سر

ضرب کاری تھی کہ فوراً گِر گیا
موت نے چھینی حیاتِ مختصر

گرچہ تھا دِلدوز ایسا سانحہ
پھر بھی پگھلا ہی نہیں قلب و جگر

بے کسی پر اس کی ہم روتے بہت
رحم کھا کر اب اِسے لائے اِدھر

منتظر ہیں ہم بڑے ابلیس کے
تاکہ ہو اِس کا جنازہ پُر اثر

پہیلی

شوخی دکھائی شیخ نے پردے لئے بغیر
ناداں نے سر چھپا لیا دامن لئے بغیر

دنیا میں ایسا مدعا پانا سہل کہاں
ساحِل مِلیگا کس طرح کشتی کھئے بغیر

یہ میکدے کی ریت ہے پی کر چڑھے خمار
بیگانے جھومتے ہیں مگر کچھ پیئے بغیر

دنیائے سیاست پہ ہی موقوف نہیں سب
مِلتا ہے یہاں عشق کِسے دِل دیئے بغیر

لاشوں کو کرسیوں پہ بٹھانے سے کیا ہوا
مردوں کو زندہ کون کہے گا جیئے بغیر

شیروں کی شجاعت ہے مولا بھی خفا ہے
غازی پڑا ہے نام کسے کچھ کئے بغیر

ادبی حلقے

رفتارِ دورِ نو کو نہ کوسیں تو کیا کریں
ہاکر ایڈیٹروں میں بھی جاتے ہیں شمار

وہ لوگ کہ واقف نہیں کچھ علم و ادب سے
شعر و سخن کے خود کو بتاتے ہیں تاجدار

کہتے ہیں کسے فکر و نظر حرف و عبارت
ابجد سے آشنا نہیں یہ مفت کے فن کار

جن کا ضمیر زندہ نہیں جن کا دل نہیں
ایسے ہی ادیبوں کو بناتے ہیں اشتہار

حلقۂ ارادت

ابھی تک زندہ ہیں دنیا میں کچھ ایسے بھی دل والے
تمنا جن کی اتنی ہے زبوں اسلام ہو جائے

یہاں طاغیت کی رات دن تجدید ہوتی ہے
یہاں کے مشورے پختہ مسلماں خام ہو جائے

یہاں کی رنگینیٔ ختمات کے باہر کی خاطر ہے
یہاں کی سازشیں ہر دیدہ ور بدنام ہو جائے

یہاں ہوتی ہے عزت دم چھلوں کی رات دن ساقی
کہیں اس بزم میں خالی نہ تیرا جام ہو جائے

تصوف کی گلی میں بوالہوس تسبیح گنتے ہیں
غلط کار و کہاں الحاد کا الہام ہو جائے

جیل کے ساتھی

جولائی ۷۵ء سنٹرل جیل

ہے تیرے عزائم میں اگر سختی خارا
اے جیل کے ساتھی نہ کر اندیشہ خدارا

(۱) مانا کہ لٹا قافلۂ عشق پھر اک بار
مانا کہ ترا قتل ہوا بر سر بازار
مانا کہ ترے خون کے حاکم ہیں خریدار
مانا کہ ہوئے زندہ دوبارہ وہی غدار
ہے جن کی تگ و دو کا عزازیل سہارا
اے جیل کے ساتھی نہ کر اندیشہ خدارا

(۲) اس قید کے کانٹوں کی کوئی پیاس بجھائے
اس جیل کے پہلو میں خودی کون پڑھائے
اس آگ کے شعلوں میں کوئی خود کو گرائے
اس دار کے پھندے کو بتا کون سجائے
مضبوط جگر کر کہ یہ ہے کام تمہارا
اے جیل کے ساتھی نہ کر اندیشہ خدارا

(۳) پینا ہے تجھے زہر بھی اے حق کے طرفدار
یہ راہ محبت ہے ترے خوں کی طلبگار
ہے ایک قدم لاکھوں صلیبوں سے شرربار
یہ راہ جنوں مانگتی ہے مستی احرار
اس دیس میں ہوتا نہیں بزدل کا گزارا
اے جیل کے ساتھی نہ کر اندیشہ خدارا

(۴) ماضی کی طرف پھیر نظر دیکھ چمن میں
وہ گل کہ چلے ملک بقا سرخ کفن میں
ہے نغمۂ حق آج تک اس ساز کہن میں
حمزہؓ بھی چلے تھے نہ کلیجہ ہی بدن میں
تو ہے کہ ابھی تک بھی ستمگر کو گوارا
اے جیل کے ساتھی نہ کر اندیشہ خدارا

(۵) مانا کہ کوئی ہوگیا ہے دور پدر سے — (۱) ظالم سے رعایت نہیں غیرت کا تقاضا
مانا کہ کوئی کٹ گیا ہے لختِ جگر سے — ہے تیغ و سناں راہِ محبت کا تقاضا
مانا کہ کوئی چھن گیا بیوی کے مہر سے — کرلے نہ ستمگر سے مروت کا تقاضا
مانا کہ جواں دور ہیں ماؤں کی نظر سے — جھک جائے خودی یہ نہیں وحدت کا تقاضا
شبیر نے یہ معرکہ پہلے ہی ہے مارا — یہ طرزِ عمل کیا ہے شجاعت کا خسارا
اے جیل کے ساتھی نہ کر اندیشہ خدارا — اے جیل کے ساتھی نہ کر اندیشہ خدارا

(۶) اے صاحبِ جنگِ مسلک چیرہ و زمین گیر
دنیا میں تغیر کا ہے محتاج جواں پیر
بن شعلۂ نفس شعلہ ادا برق نما تیر
کٹ جائے ترے خون سے ہی فولاد کی زنجیر
ہو تیرے عزائم میں اگر سختی خارا
اے جیل کہ ساتھی نہ کر اندیشہ خدارا

سخن

وہ سخن کہہ دے کہ اہلِ بزم دیوانہ بنیں
غلم ہیں اہلِ سخن جب تک نہ پروانہ بنیں
مجھکو ان تخلیق کاروں کے قلم سے کیا غرض
جو گرفتارِ ادائے زلفِ جانانہ بنیں

بیوی کے نام

اگست ۷۵، سنٹرل جیل

تم ساتھ اگر دو کیا غم ہے یہ جیل یہ سختی دار و رسن
تم صبر کرو تو میرے لئے کانٹے بھی بنیں گے یاد چمن

اے جانِ ادا معلوم مجھے تو فرقت میں ہے شام و سحر
زہرا سے اگر ہے پیار تجھے اس سیرت کا پروانہ بن

ہر وقت کہ ہر اک موڑ پہ ہے طاغوت کی خونیں آگ لگی
آ ساتھ بجھائیں شعلوں کو بچ جائے ملت کی خرمن

تو تڑپتی ہو گی میرے لئے بے چین ہوں میں بھی تیرے لئے
آ مِل کر شور کریں صیاد نہ چھینے حسنِ چمن

راتوں کی جدائی دن کا سماں احساس دلاتا ہے مجھ کو
وہ گرم زباں وہ نرم ادا وہ تیری وفاؤں کی الجھن

یہ راہِ محبت ہے پیاری یاں زہر بھی پینا پڑتا ہے
رشتے کا تقاضا اور ہو کیا زہراب کی خاطر کھول دہن

بچوں کی جدائی کے نشتر اس جگر کے ٹکڑے کرتے ہیں
ہے پھر بھی علاجِ دردِ جگر ہو چھید نہ یادوں کا دامن

کوئی بھی ستائے گھر میں تجھے کوئی بھی رلائے چھوڑ ذرا
تلقین یہی ہے ساتھی کی مت چھوڑ حلاوت کا دامن

جیل کے جھروکوں سے

اگست ۷۵ء

دیارِ یوسف کا ذرہ ذرہ دُہرا رہا ہے وہی فسانہ
کہ دو دلوں کے فراقِ غم کا ہے نام زنداں و قید خانہ
اگرچہ حق اس چمن کی ہر اِک کلی پہ ہے میری ہی نظر کا
یہ کون بجلی گری کہ اُجڑا چمن کے پہلو میں آشیانہ
ہماری فطرت ہے شعلہ ساماں ہماری غیرت ہے حسنِ ایمان
وہ جن کا عجز ہے آج خو منین اِن ہی پہ ٹوٹے گا کل زمانہ
اسے ہماری نظر کے تیروں سے پاکش ہونا پڑے گا اِک دن
غلام قوموں نے اپنی خاطر بنا لیا ہے جو آستانہ
یہ غنچہ و گل یہ برگ و سبزہ یہ رنگ و نکہت یہ حسن و زینت
غرض چمن کے یہ خار تک بھی نگاہ رکھتے ہیں دلبرانہ
وہ جن کی آنکھوں سے موجزن ہے صعوبتوں کا خمار اب تک
قدم قدم پر وہ مطمئن ہیں ادا ادا اِن کی فاتحانہ
وہ جن کے ترکش سے تیرِ علم و ہنر کے برسے تھے چھپ گئے ہیں
مئے شہادت کے خوگروں نے دکھائے کرتب تو غازیانہ
یہ زلفِ الحاد خوشنما ہے کہ شیخ بھی دِل کو ہار بیٹھا
یہ لحنِ داؤد کے غزلخواں دماغ رکھتے ہیں کافرانہ
اگرچہ محفل میں نغمہ آرا دیارِ مغرب کے نازنیں ہیں
مرے بھی قلب و جگر میں پنہاں ہیں لاکھ آدابِ مومنانہ

ہزار رنج و محن کے آتش فشاں میں ڈالی ہے زندگانی
سہے جگر نے ستمگروں کے تھے جتنے حملے بھی قاتلانہ
نئے تمدن کے صوفیوں نے شرابِ باطل کی مول لی ہے
یہ میکدوں کے دلال رکھتے ہیں نام اس کا مئے شبانہ
مجھے طلسمات کے پجاری دکھانے آئے ہیں سامری پن
کلیم فطرت ہوں کیا کرے گا مجھے یہ اندازِ ساحرانہ
وہ خود نگر ہوں کہ اپنے النفس کے قید خانے سے بھاگ کر میں
چلا ہوں آفاق کے چمن میں یہ ہے مرا ذوق مجرمانہ
حسین پھولوں کی انجمن میں مرا تخیل ہے نغمہ پیرا
کہ مجھ کو فطرت نے دیدئے ہیں رموزِ دل وہ بھی عاشقانہ
مری جوانی مری کہانی ، مرا فسانہ یہ زندگانی
اگر نہ زنداں سے پیار کرنا یہ سیکھے سب لطف راہبانہ

جنوں

جنوں کو چاہیئے ہر وقت گرمی
نیاز و ناز کا عالم ہے یکساں
مگر دنیا تے حال و قال میں اب
مجھے ملتا نہیں ایسا گلستاں
متاعِ اہلِ دل شاید لٹی ہے
نظر بیمار بستی دل کی سنسان
گل و بلبل کے افسانوں کا باغی
مچا سکتا ہے ہر محفل میں طوفان

اے روح غزل

(۱)

•

گل ہائے عقیدت تیرے لئے
یہ عشق و محبت تیرے لئے
جذبات کی شدت تیرے لئے
نغمات کی زینت تیرے لئے
اعجاز کی حرکت تیرے لئے
افکار کی وسعت تیرے لئے
ایماں کی برکت تیرے لئے
بارود سے نفرت تیرے لئے
اے روحِ غزل ہے فرصت کم
الہام کو مت الجھا دینا

(۲)

•

میں ساغر لے کر کیا کر لوں
تعمیر کو چاہے میرا لہو
میں جام اُٹھا کر کیا پی لوں
تقدیر کو چاہے میرا لہو
میں بزم میں جا کر کیا بولوں
تقریر کو چاہے میرا لہو
میں کتب اُٹھا کر کیا پڑھ لوں
تفسیر کو چاہے میرا لہو
اے روح غزل ہے فرصت کم
آغاز نہیں انجام بتا

(۳)

•

وہ دیکھ تڑپتی لاشیں اُدھر
لاکھوں ہیں یہاں بے گور و کفن
ہیں سانپ اِدھر پھن پھیلاتے
خونخوار یہاں ہے ہر ناگن
تہذیب کے اس ویرانے میں
ہے جھلسا ہوا ہر ایک بدن
انسان کٹے شیطان بچتے
عفریت کا پھیلا ہے دامن
اے روحِ غزل ہے فرصت کم
آ ساتھ میرے تو آنسوں بہا

(۴)

•

اقصیٰ سے لیکر کابل تک
ہے ایک نظر ہے ایک جگر
ہے ایک ستم ہے ایک جفا
ہے ایک اذاں اور ایک سحر
ہے ایک ہی باطل کی یورش
ہے ایک مسلمان زیر و زبر
ہے ایک ہی سازش ایک حسد
ہو نذرِ تباں توحید کا گھر
اے روحِ غزل ہے فرصت کم
مظلوم کی خاطر جوش میں آ

(۵)

•

ارباب ہوس بیدار ہوئے
سُرخے وہ گرم رفتار ہوئے
اخلاق کی محفل ــــ باغی
مغرب کے سبھی شہکار ہوئے
کردار کے مرکز کے دشمن
مشرق کے سبھی دیندار ہوئے
اسلام نے جن کو پالا تھا
اسلام کے وہ غدار ہوئے
اے روحِ غزل ہے فرصت کم
پیغام حق و انصاف سنا

(۶)

•

یاں ہونٹ بکے رخسار بکے
اس شہر کے سب گلنار بکے
آواز لُٹی نغمات لُٹے
الفاظ بکے اشعار بکے
اغراض کے ظالم ہاتھوں سے
تخلیق کے سب شہکار بکے
گفتار بکے دیدار بکے
پیسوں کے بدلے یار بکے
اے روحِ غزل ہے فرصت کم
احساس کی شمعیں زود جلا

(۷)

•

دُنیائے ترقی کا منظر
خونبار بھی ہے خونریز بھی ہے
ہے بزمِ خلش سرگرم تپش
فرہاد بھی ہے پرویز بھی ہے
جو حسنِ بشر پژمردہ تھا
گاہ گہہ وہ ارماں خیز بھی ہے
انصاف کی گردن اونچی ہے
اور ظلم کا خنجر تیز بھی ہے
اے روحِ غزل ہے فرصت کم
تعمیر بھرا اک شعر سنا

عید سے پہلے

کتنے زخموں کو نمک چھڑکا کے تڑپا گئی عید
کتنے ارمانوں کو فرقت یاد دلوائے گی عید

کتنے مجبوروں کو بہلائے گی غربت کی شراب
کتنے لاچاروں کی دکھتی رگ کو گرمائے گی عید

ہوٹلوں میں آج ہی زردار ہوں گے محوِ جام
جھونپڑوں میں کتنے معصوموں کو بہکائے گی عید

نازنینوں کے لئے ہوگا ادھر جشنِ بہار
ایک حسرت بن کے بیوہ کے بھی گھر آئے گی عید!

آج ہی ہوں گی مسلمانوں کے گھر میں عشرتیں
تاش کے پتوں کو دیکھے گی تو شرمائے گی عید

آج ہی ہوں گے نبی کے امتی ساغر بدست
آج ہی مے خوار کے گھر میں زہر کھائے گی عید

آج ہی ہوگا حیا کے وارثوں کا قتلِ عام
برہنہ سینوں کو دیکھے گی تو شرمائے گی عید

آج ہی ہوں گی ثقافت کی نئی طرحیں عیاں
دیکھ کر تہذیبِ نو گھٹ گھٹ کے مرجائے گی عید

دیکھنا اِن بستیوں میں کوئی عارف بھی تو ہے
تاکہ کچھ لمحوں کو ان کے گھر میں ستائے گی عید

دیکھنا لاشوں میں کوئی زندہ دل باقی بھی ہے
تاکہ اس مجنوں صفت کو ڈھونڈنے جائے گی عید

دیکھنا ان کاٹھ کے تیلوں میں کوئی زندہ ہے
تاکہ اس کی ہم نفس بن کر سنبھل جائے گی عید

دیکھنا ان خود سپندوں میں کوئی عاشق بھی ہے
تاکہ حسنِ لم یزل کا فیض پہنچائے گی عید

نغمۂ قلم

(۱)

دیکھنے کی شے ہے گلچینوں کی تعمیرِ چمن
پھول مرجھائے ہوئے کلیوں کے چہروں پر کفن
پتے پتے کی جوانی موت کی آغوش میں
بوٹے بوٹے کا سرِ راہ تک رہا ہے بانکپن
بلبلیں مایوس جیسے ہوں یتیموں کا ہجوم
یا کوئی اپنے وطن میں ہی ہوا ہو بے وطن
کس قدر گمبھیر ہے یہ نغمۂ جشنِ خزاں
رقص دیواروں پہ کرتے پھرتے ہیں زاغ و زغن
سینۂ شبنم میں ارمانوں کا زہریلا جمود
رنگ و بو پھرتی ہے یوں یا آذرندوں کا چلن
کیا اسی منظر پہ ہو قربان یہ شعر و سخن

(۲)

کوئی چلاتے کھڑا ہوتے ہیں لاکھوں امتحاں
پا بجولاں کرتے ہیں اکثر مہرباں، رازداں
جیل کھلتے ہیں جنم لیتے ہیں تب دار و رسن
جب سرِ محفل عیاں ہوتا ہے اک شعلہ بیاں
زہر کے ساغر بھرے جاتے ہیں مے کے نام سے
سازشوں کی سوئیاں سیتی ہیں ہونٹوں کو یہاں٭
حسن کے شیدائیوں پہ تہمتیں آتی ہیں خوب
عشق والوں کے لئے سجتی ہیں ہر جا سولیاں
جادۂ منزل میں روڑے خوب اٹکاتے ہیں لوگ
زندگی کو پیش آتے ہیں بہت آتش فشاں
ولولے میرے ہیں متلاشی کو ہو سوزِ کہن

(۳)

•

گلبدن اس شہر کے اب بن گئے ہیں تن فروش
لالہ رُخ اس شہر کے اب بیچتے ہیں چشم و گوش
شوخیاں آوارگی کے در پہ قرباں ہو گئیں
نازنینانِ چمن ہیں آج عریانی بدوش
بک گئے رخسار و لب بکنے لگے ہیں روز و شب
کس طرح چھینا ہے مغرب نے مشرق تیرا ہوش
عصرِ حاضر کی ثقافت ہے کہ ہے ناگن کا روپ
دورِ نو کی زندگی ہے یا کہ وحشی کا خروش !
بے کس و بے گھر ہوا اخلاق گاہوں کا ضمیر
بجھ گئی قندیلِ دل چھائی ہوائے ناؤ نوش
اپنی قیمت آپ چکوانے چلے سیمیں بدن

(۴)

نشۂ ابلیسیت سے چور ہو جب اقتدار
کیوں نہ بن جائے کبھی تہذیب خانوں کو مزار
رقص کرتا ہے نفس میں جب قیادت کا غرور
روندتے ہیں لاکھ دل والوں کو فوراً تاجدار
حرفِ حق بازیچۂ اطفالِ بے پرواہ نہیں
ہے یہ بازارِ رضا میں عاشقی کا اشتہار
جب تلک کوئی نہ ہو الحاد کش طاغوت سوز
کیسے کہلائے وہ تخلیقِ وفا کا شاہکار
آ کہ اس دنیا کو وقفِ حسنِ بے ہمتا کریں
اپنا خون اپنی نظر قلب و جگر کر لیں نثار
ہے زمین بنجر کہ میرے نوجوانوں کا ذہن؟

تحت الشعور

ظلم کو انصاف ہم کہتے تو ہوتے ہم نشین
ان ستمگاروں کے جن کی تاجداری اب بھی ہے

وقت کی جمہوریت مزدور کا تحت الشعور
پختہ تر جانے کدھر مردم شماری اب بھی ہے

یہ ترقی کا زمانہ ہے کہ خود غرضی کا دور
ہر کہیں اپنی ہوس کی پاسداری اب بھی ہے

عہد نو کے ابنِ آدم نے تو دونوں کھو دیے
دل کی ویرانی شکم کی بیقراری اب بھی ہے

روس کی یکسانیت اب خودکشی کرنے لگی
اشتراکی دیس میں سرمایہ داری اب بھی ہے

ہم مسلمان ہیں راکیش ہے عدلِ جہاں
مٹ گئے شہرت مگر ہر جا ہماری اب بھی ہے

آدمیت پا بہ جولاں حضرتِ انساں خموش
وقت کی آنکھوں سے جاری اشک باری اب بھی ہے

میں شہیدِ نازِ خودداری ہوں تنہا بزم میں
میرے ہر عضوِ بدن سے خون جاری اب بھی ہے

کل کے استبداد کو ہم بھول سکتے ہیں کہاں
نقشِ ماضی کے مٹانے کی تیاری اب بھی ہے

گرمیٔ سوزِ دروں کی چارہ جوئی کر ہی لو
دوستو میرے قلم پہ پہرہ داری اب بھی ہے

ہیتِ گلشن ابھی تک پا رہا ہوں ناتمام
نغمۂ بلبل میں پنہاں آہ و زاری اب بھی ہے

کون توڑے شیخ و ملا کی امنگوں کا جمود
پختۂ رہبانیت میں دینداری اب بھی ہے

فکر و فن

اس کائنات حسن کی جدت کے ساتھ ساتھ — شاعر بھی ابھرتا ہے خیالات کی طرح
تخلیق تڑپتی ہے نکھرتی ہے ہمیشہ — افکار کے چہرے پر جمالات کی طرح
شاعر کی نظر گنتی ہے انداز نظر سے — ہر حادثۂ غم کو حسابات کی طرح
احساس ٹپکتے ہیں سدا اس کے جگر سے — اک مردِ قلندر کی کرامات کی طرح
وہ فکر وہ فن جس میں نہیں گرمیٔ شعور — اگتے ہیں تخیل میں جمادات کی طرح

بزم نگاراں

رہنے کی چیز ہی نہیں ہے بزم نگاراں — اے عشق ہوشمند قباحت سے گزر جا
جو دل لگی ہو حاصلِ رفتارِ شب و روز — اے ارجمند ایسی محبت سے گزر جا
وہ گرمیٔ حیات کہ بے سوزِ سفر ہو — اے راہ نورد ایسی شجاعت سے گزر جا
جو انقلابِ دل نہ ہو معمارِ دلبری — ہم چاہتے ہیں ایسی حرارت سے گزر جا
یا ایسی وفا جس پہ شریعت کی قبا ہو — یا ایسی بے لباس شریعت سے گزر جا

نقد و نظر

ہم نقد و نظر میں بہت بیباک رہے ہیں — اس فن میں امینِ غم و ادراک رہے ہیں
غارت گر اندازِ نظر ہو نہیں سکتے — جو وقفِ وفائے دلِ صد چاک رہے ہیں
طوفانِ نفس کا وہ کریں کیا مقابلہ — اس صرصرِ عالم میں جو خاشاک رہے ہیں
وہ علم و ہنرِ فکر و نظر ڈھونڈ لو یارو — جو رجسِ تخیل سے سدا پاک رہے ہیں

عشق و ہوس

مانا کہ ہوس حسن کے سانچوں میں نہاں ہے — عارف کی نظر تاڑتی ہے اسکی ادا کو
اِس نقشِ دروں کی اگر تصویر ہے نازک — رہنے نہیں دیتی ہے جبیں پہ یہ حیا کو
واقف ہیں ہم اس زہد شکن تیغِ نفس سے — میں نے بھی کبھی دل دیا تھا اسکی ادا کو
جب سے دلِ دیوانہ بنا عاشق کا پیکر — بُت ہٹ گئے اور پالیا اس دل نے خدا کو

آشفتہ سری

میں کیسے تجھے جاہل و ناداں پکاروں
دنیا سے ترقی میں تو آگے نکل گیا
افسوس مجھے ہے تری آشفتہ سری پر
مابعد کے عالم میں تو پہلے ہی چل گیا

مزاجِ قلم

(۱)

میں اور مصلحت یہ مزاجِ قلم نہیں
چھلکنے نہ دو لگا ٹوٹ ہی جائے تو غم نہیں
پیدا ابھی سے ربط ہے شعر و شعور میں
کیا میں جہاں میں کشتۂ اہلِ ستم نہیں
میں نے پیئے ہیں جام جفاؤں کے بارہا

(۲)

انساں رُک گیا ہے ثقافت کے موڑ پہ
کچھ اسطرح کہ حادثہ زندگی ہے پیش
ان جدتوں کی زلف سنواریں وہ کس طرح
جن دلِ جلوں کو حادثہ بندگی ہے پیش
جچتی نہیں ہے ان پہ نئے دور کی قبا

(۳)

میں کمینوں کے پاس بھی ٹھہرا ہوں بارہا
دیکھے ہیں میں نے تاج بہ سر کتنے اژدھا
کتنے مرے ضمیر کی سختی سے دب گئے
کتنوں کو مرے خون کی حرکت نے ڈس لیا
دنیائے خواہشات سے میں ہی ہوں بے وفا

(۴)

تعلیمِ روزگار غمِ یار کے عوض
ایماں شکن کبھی ہے تو ارماں شکن کبھی
تعلیم عصرِ نو کا یہ آیا گمن ہے خوب
یاں نوجواں ہے شیخ کبھی برہمن کبھی
قوموں کے لئے زہر ہے یہ آتشیں فضا

(۵)

وہ موجِ اضطراب جسے نوجوان تھا نام
وہ فکرِ انقلاب جسے نوجوان تھا نام
وہ دل کا پیچ و تاب جسے نوجوان تھا نام
وہ سوزِ بے حجاب جسے نوجوان تھا نام
تہذیبِ نو کے زہر سے گھٹ گھٹ کے مر گیا

۶

تجھ سے چھٹا ہے سازِ جوانی کا زیر و بم
اے روحِ بوستانِ رضا ترجمانِ غم
وہ ذوق و ظرف و شانِ وجاہت کہاں گئی
منزل ابھی ہے دور ترے رک گئے قدم
اے آشنائے لذتِ دردِ جگر یہ کیا

(۷)

بیمار ولولوں کی شریعت سے اجتناب
ہے خارِ گل و لالہ کی عظمت سے اجتناب
بے کار غمِ عشق و محبت سے اجتناب
بے سوزِ جگر ہو تو بغاوت سے اجتناب
اس طرحِ دلبری میں نہیں ہے کوئی ادا

(۸)

تہذیبِ نو کی گود میں انگڑائیاں نہ لیں
اے آشنائے فطرتِ سیماب ہوش کر
یہ زندگی ہے قلب و نظر کی بقا کا نام
اٹھ رنج و محن کے سبھی ساغر تو نوش کر
یہ دل لگی ہے نام شہیدوں کی وفا کا

(۹)

وہ دیکھ تمدن سے دھواں اٹھ رہا ہے آج
یہ اہلِ ہوس جشن منائیں گے کب تلک
بارود نے ایماں کی اطاعت قبول کی
یہ اہلِ ہوس پیٹ لبائیں گے کب تلک
ہے تو ہی نئے دور کے ناسور کی دوا

بندگی

بندگی چھٹتی نہیں ہے زندگانی سے کبھی — ہے مسلمانی مقید اور مطلق کافری

کفر کی دُنیا میں بندے کم ہیں زیادہ ہیں خدا — اور مسلمانوں کو ہے تسلیم واحد قاہری

ہر کوئی مشغول ہے اپنے صنم خانے کے بیچ — جب تلک حاصل نہ ہو جائے نگاہِ موسوی

زہد و تقویٰ بے سند رہتا ہے تا بام عروج — مانگتے ہیں لمحہ لمحہ یہ حیلئے یوسفی

فکر و فن کے استعاروں میں نہاں ہیں دیوتا — شاعروں پر بھی تو واضح ہو ضمیر شاعری

خاطر جمع

میں اکیلا رات کی تاریکیاں چاروں طرف — شب کے اندھیرے اُجالے صبح کے بن جائیں گے

آج حاصل جن کو ہے نمرود کا ناز و غرور — کل کسی کی قوتِ بازو سے خود گھبرائیں گے

ہے یہ آئینِ مسلّم آج اُس کا کل کا یہ — کیوں کسی بھٹی کے شعلوں کا کوئی غم کھائیں گے

دہر کی عادت کو کچھ تاریخ کے روزن سے دیکھ — تاجِ قیصر کے بھی لعل و گہر جل جائیں گے

عروجِ حیات

لالۂ صحرا کی خود رو زندگی سے سیکھ لے
اپنی تخلیقِ حیاتِ دمبدم کا اضطراب
اے گرفتارِ طلاطم اے اسیرِ سوز و ساز
موجِ دریا دے رہی ہے تجھ کو درسِ پیچ و تاب
ڈھونڈ تعمیرِ خودی کے واسطے وہ چارہ ساز
جو ضمیرِ زندہ ہوتا ہے رہینِ انقلاب
ہو عیاں اپنے عروجِ استقامت کے لئے
تاکہ کھل جائے تجھی پر حاصلِ درسِ غیاب
اُٹھ کہ اب تہذیبِ مشرق منجمد ہونے کو ہے
گرچہ اک مدت سے مغرب ہے گرفتارِ عذاب
مسلکِ دانِ عالمِ نو پر قیامت چھا گئی
اور تو سمجھا ہے آئے گا نہیں روزِ حساب
عقل و استدلال کے ہر مدعی پر ہو عیاں
انجمن میں حضرتِ عاشق بھی ہے حاضر جواب

امتحان

پھر کھلے زنداں ہمارے حوصلوں کے واسطے
امتحان آیا سرِ نو ولولوں کے واسطے
کیا زمانے میں کہیں موجود ہے زید و بلال
آگ سلگائی گئی ہے دل جلوں کے واسطے
جن کے نغموں سے بہارِ ملت بیضا ہے عام
دام پھیلایا گیا ان بلبلوں کے واسطے
ہے خدا تیرے وفاداروں کی عزت کا سوال
کیا شریفوں کا لہو ہے مقتلوں کے واسطے

خط کے جواب میں

تو نے لکھا ہے تجھے اک غزل ارسال کروں
میرے ساتھی کس طرح اس دل کو بے حال کروں
میرے ساتھی اپنے ارماں کیسے پامال کروں
میرے ساتھی کس طرح فکر پہ وبال کروں
سوچتا ہوں کیا لکھوں اور کیا میں ارسال کروں

•

کیا میں ہوں شاہ عرب فخر عجم کے لائق
کیا مرے شعر ہیں اس لائق کہ پرواز کریں
وہ عنادل جو خزاں دیدہ ہوں صحرا میں سدا
اپنے نغموں پہ بتا تو ہی کیا ناز کریں
وہ خریدار جنہیں بازار نہیں ہے حاصل
جائیں کس شہر میں کس سودے کا آغاز کریں
میرا غم خانہ۔ دل داغ نہاں رکھتا ہے
میرا ہر زخم ادھورا ہی نشاں رکھتا ہے

لہ مکۃ المکرمہ سے آئے ہوئے خط کے جواب میں

ہیں ابوجہل نہیں کام پہ اپنے شک ہے
کافرِ ہندی نہیں نام پہ اپنے شک ہے
ہو کے مسلم مجھے اسلام پہ اپنے شک ہے
میکدہ اِن کا وہی جام پہ اپنے شک ہے
کرسی و فرش ہے پرانا بام پہ اپنے شک ہے
ہوں گراں مایہ مگر دام پہ اپنے شک ہے
کیا غزل کہہ دوں اگر فکر ہو باطلِ اپنی
عشق کیا پیش کروں عقل ہے قاتلِ اپنی

•

شہرِ محبوب نہ لندن ہے نہ واشنگٹن ہے
شہرِ محبوب کا ہر ذرہ ہے قرآں کا امین
اس کی ہر صبح نے سن لی ہے سدا بانگ بلال
اس کی شاموں کا سماں ہے مرے فرقاں کا امیں
یہیں حسانؓ کے شعروں نے بتوں کو توڑا
یہ زمیں کیسی زمیں ایسے غزلخواں کی امین
شہرِ محبوب کی خاطر دلِ ہی دیوانہ ہے
شعر کیا چیز کہ شاعر ہی تو دیوانہ ہے

مزاجِ پری

بات پتے کی کہی ہے غالبِ مے خوار نے
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا
میں سراپا ہوں وجودِ آتشِ سوزِ فراق
خورشہ حیبی میرے تبسم سے مجھے بہلائیں کیا
روح جلتی ہے بدن شعلوں کو دیتا ہے جنم
ہم بھلا طوفان بداماں دل کو سمجھائیں گے کیا
دوستوں یاروں رفیقوں کی محبت بے ریا
وہ نہ ہوں ہم عشق کے وارث کہو کھائیں گے کیا

کچھ نہ کچھ

ہر کسی کو ہے ترے کوچے میں پیارا کچھ نہ کچھ
زندگی کو چاہیے گا ہی سہارا کچھ نہ کچھ
بجلیو گر جاؤ کانٹوں کو مگر چھیڑے بغیر
ہے چمن میں ہر کہیں بکھرا اسہارا کچھ نہ کچھ
زلزلے، طوفان، حوادث، نبضِ عالم کی تڑپ
ہر تغیر میں اسی کا ہے اشارا کچھ نہ کچھ

اسیرِ قفس

پھڑک پھڑک کہ زندگی قفس فروش ہو سکے
جسے ملے ہوں بال و پر وہ کیوں خموش ہو سکے
وہ انقلاب ہو تری ادا ادا سے جلوہ گر
حیات و کائنات بھی کفن بدوش ہو سکے
زمانہ منتظر ترا نفس ترا ہو آتشیں
یہ دل جگر نظر نظر بھی شعلہ پوش ہو سکے

اُوَرلوڈ

اک روز میں نے کہہ دیا اِک باشعور سے
کیوں حضرت آدم کی بشر پر ہے خدائی
بولے کہ مرے یار زمانہ ہی عجیب ہے
محفل سے نکل گھر میں کہیں اوڑھ رضائی
گاڑی کے اورلوڈ سے آزاد نہیں ہم
کیا حق ہے کہ ہم ڈھونڈلیں انسان کی رہائی
گاڑی سے اترتے ہی نظر سے ہوا پنہاں
وہ شخص گراں آج تک ہے جس کی جدائی

چپ

غدار کے ہاتھوں میں نظام اور تو چپ ہے
عیار کے ہاتھوں میں زمام اور تو چپ ہے
میخانۂ چنگیز میں اب مفت ہے تقسیم
یعنی کہ ترے خوں کا جام اور تو چپ ہے
بلبل چمن میں تیرے کہاں تک ہیں کرگس
وہ بیچتے ہیں تازہ حرام اور تو چپ ہے
تخریب حرم پر ہیں مجاور کی نگاہیں
خودسر ہوا امت کا امام اور تو چپ ہے

تحریک

فولاد سے ہی کٹتا ہے فولاد جہاں میں
تحریک کو تحریک مٹانے کے لئے ہے
خلوت کے طلبگار وفادار تو ہوں گے
جلوت ہی جمعیت کو بنانے کے لئے ہے
"سرمایہ" سے مسلم نے بنائی ہے سیاست
قرآں فقط گھر کو سجانے کے لئے ہے
دین اسکی دعاؤں سے ہی پروان چڑھے گا
سر خاکِ وطن پہ تو کٹانے کے لئے ہے
اسلاف کے وارث ذرا اتنا تو بتا دے
کیا آج ترے پاس زمانے کے لئے ہے

بے کیف شعلہ

شر لعیوں سے اُلجھنا جن کی فطرت میں ہوا شامل
مجھے اُن کی رفاقت پر نہیں اب ناز ہو سکتا
بہت دیکھے ہیں میں نے پیچ و تابِ زندگی اب تک
کوئی بے کیف شعلہ کس طرح دمساز ہو سکتا
جسے خلوت گزینی نے نکمّا کر دیا ثابت
فضا کی وسعتوں میں کیا وہی شہباز ہو سکتا

نیلامِ فکر

کسی سے باادب میں نے عرض کی
تُمہاری رائے کیا ہے زندگی پر
تُمہارے ذہن کا سرمایہ کیا ہے
تمہارا تبصرہ کیا بندگی پر
تُمہارے دردِ دل کی ابتدا کیا
بجا کرتے ہو تم کیسی خوشی پہ
بچارے نے کہا میں کیا کہوں گا
یہاں موقوف ہے سب لیڈری پر

شہرِ خوباں

ستائے جاتے ہیں بارِش میرے شہرِ خوباں میں
الٰہی یہ کرم تیرا ہے یا بندوں کی رُسوائی
ذرا دیکھیں کہ باطل کس قدر خونخوار ہوتا ہے
نکل آئے ہیں سینہ تان کر سب تیرے شیدائی
تری خاطر منافق سے ہمارا کب رہا رشتہ
متانت بے نمودی کی راس کیا اب تک نہیں آئی
بجا ہے انجمن میں ان کی ہوتی ہے مئے دمینا
مگر کیا آنکھ میری دیکھ کر نظارہ للچائی
جلائے جاتے ہیں پھر آشیانے اُن عنادِل کے
چمن میں جن کو ہے محبوب ہر بجلی کی انگڑائی
کسی چنگیز کے پھندے میں آ سکتا نہیں عاشق
اُسے تسلیم ہے دُنیا میں بس تیری ہی زیبائی

منافق

یا عنادل کی طرح پھولوں پہ ہو جا جاں نثار
یا مکمل طور اپنا شیوۂ زاغ و زغن
یا محاذِ عشق پہ کر زندہ پھر بدر و حنین
یا کھلے بندوں پکڑ بو جہل کا تحسین وطن
یا جہاں والوں میں پیدا کر جلالِ انقلاب
یا جواں میں زندہ کر فکر و خیالاتِ کہن
یا خلیل اللہ کے الیاس سے ہو جا ہمکنار
یا کسی نمرود کے بندوں کا بن جا ہم وطن
یا کسی اقبال کا ذوقِ تخیل کر قبول
یا کسی...... کی لذت میں ہی ہو جا غوطہ زن
یا کلیم اللہ کی عظمت کا کر اعلانِ عام
یا کسی فرعون کی افواج کا جرنیل بن

مُبہم

دوستو اِس مئیکدے میں زہر پینا سیکھ لو
ہے مزاجِ پیرِ مئخانہ ملاوت کا رقیب

انجمن والے مجھے سمجھے نہ اپنا معتمد
میں کہاں محفل میں تھا ایسی سیاست کا رقیب

خون کے قطروں نے مقتل میں کیا اعلانِ عام
حضرتِ عاشق ہی ہے جعلی شہادت کا رقیب

جسکو تم سمجھے سدا اِک پیکرِ صد انقلاب
میں نے جانا ہے اسے ہر دم بغاوت کا رقیب

بے گناہی جس کی تھی سرمایۂ زہد و رضا
آج وہ معصوم ہی تو ہے محبت کا رقیب

لولاب کا سفر

اللہ کی قدرت کا حسین منظرِ نایاب
عاشق کے لئے تیری ادا حسن کا مضراب
ہے تیری فضاؤں سے عیاں حسنِ خداداد
ہے تیرے رگ و پے میں نہاں عشق کا سیماب
ہیں تیرے چمن کسی جنت کے نشاں ہیں
ہیں تیرے عنادل میں تڑپ اٹھنے کے آداب

پائے ترے صحرا میں کہیں میں نے بھی مجنون
دیکھے ترے دامن میں کہیں میں نے بھی سراب
ڈھونڈے ترے آغوش میں میں نے بھی سخنور
چھوڑے ترے آغوش میں میں نے درِ نایاب
میں بندۂ بیگانہ نہیں مردِ خدا ہوں
ہے میرے تخیل کا ہر اک رمز تک نایاب
میں خاکِ وطن پر نہیں مٹتا نہ مٹوں گا
مجھ سے نہ چھٹے جوش میں بھی ہوش کے آداب

۱۰ مئی ۸۱ء

مانا ہے فضاؤں میں تری وحید کا ماحول
مانا ہے ترا غنچہ و گل کیف سے شاداب
دامن میں ترے حضرتِ انسان کا وطن ہے
راہوں میں تری وقت کی رفتار کے گرداب
اب تک بھی تری گود میں ماضی کے نشان ہیں
ہیں تیرے مکینوں میں عیاں مشرقی آداب
ہے تیرے جوانوں کی نظر زہد سے شاداب

اہلِ ہوس

اپنے چہرے کو بھی تم اور میری پیشانی بھی دیکھ
موجزن اسرار کچھ ہیں روئے انسانی بھی دیکھ
راہبوں نے غار میں دکھلا دیئے کرتب ہزار
عاشقوں کی اب شہادت گاہ ایمانی بھی دیکھ
انجمن در انجمن اہلِ ہوس ہیں شہ نشین
کوچے کوچے میں گراں قدسیوں کی ارزانی بھی دیکھ
عشق پر الزام آئے گا اٹھائی جو نظر
حسن! تو خود ہی حسیناؤں کی عریانی بھی دیکھ

قلمکار

میں قلمکار ہوں میرے افکار میں
داستانِ گل و زلف شامل نہیں
میرا ذوقِ ہنر میرا شوقِ نظر
حسنِ تخئیل کے در کا سائل نہیں

اپنے فکر و عمل کا نگہباں ہوں میں
جرم میرا یہی ہے مسلماں ہوں میں
میں بھی پھرتا پھر یروں کو تھامے ہوئے
چند نعروں کی دنیا بسائے ہوئے
کچھ بتوں کی پرستش نبھائے ہوئے
کچھ وزیروں کی جے جے سناتے ہوئے
میرے چرچے کے سامان کچھ کم نہ تھے
زخم میرے تو محتاجِ مرہم نہ تھے

چوٹ پر چوٹ کھانے کے عادی ہیں ہم
وار پر وار سہہ کے نہ بہکے قدم
تلخیاں آزمانے کو آئیں اگر
کس نے دیکھا ہماری نگاہیں ہیں نم
ریزہ ریزہ نہ ہو کیوں یہ میرا جگر
نسلِ آدم بہاتی ہے خونِ بشر

خون میرا ہے میراثِ دینِ نبی
عشق میرا نہیں آرزوئے سخن
جب بھی خسرو بدلتا نہیں ہے چلن
مجھکو بننا ہی پڑتا ہے تب کوہ کن
زندگی کو ملی ہیں نئی کروٹیں
بندگی کو ملے ہیں نئے زاویے
سُرخ جنت کے عفریت تیار ہیں
سبز جنت کے یہ گل نہ کردیں دیئے
مسخ افغاں نے اپنی تصویر کی
اپنے گھر میں تڑپتا ہے دینِ نبی
کاروانِ حسین کی تگ و تاز دیکھ
روحِ ملت کا ایران میں انداز دیکھ
خون شبنم کے سانچے میں ڈھل جائیگا
کربلا کے نتائج کا آغاز دیکھ
قصرِ پرویز کو خاک ہونا ہی ہے
جامِ جمشید کو پاک ہونا ہی ہے
پختہ ایمان ہو تازہ دم ہو اگر
تم کو دینا ہے سو بار خونِ جگر

آیت اللہ خمینی

اک مردِ خدا جس کے شب و روز ہیں شاہد
دُنیا میں چمک سکتے ہیں اسلام کے آثار

ہجرت کے مقاصد کو سمجھ سکتے ہیں دانا
مٹتی نہیں دُنیا میں کبھی شوخیٔ کردار

کسریٰ کے کرو فر پہ ضرب مار کے بیٹھا
وہ جس کے بڑھاپے میں جوانی کی ہے رفتار

اِس مردِ قلندر کی حرارت سے ہوا فاش
وہ راز کہ جس کو نہ سمجھ پاتے تھے اغیار

ایراں کو دوبارہ مِلا اک وارثِ شبیر
پیدا ہوا پھر معتقدِ حیدرِ کرار

نظامِ مصطفےٰ

اک خاک کہ تھی آج تک گم گشتۂ صحرا
اس خاک کو اب رتبۂ اعلیٰ بھی مِلا ہے
یہ کن کی دُعاؤں کا اثر کِن کی تمنّا
یہ کتنے شہیدوں کی وفاؤں کا صِلہ ہے
یہ میرے جوانوں کی تگ و تاز کا حاصِل
یہ خونِ شہیداں کی قباؤں کی عطا ہے
یہ نور کہ ہے پرتوِ انوارِ خدا داد
اِس نور میں شامِل مگر ارمانِ ضیاؔ ہے
پھر سے مِلی اسلام کو دنیا میں امارت
مغرب میں اِسی واسطے اِک شور بپا ہے
سُرخوں کے لئے موت مسلماں کی قیادت
یہ فتنہ پُرانا ہے کہا کِس نے نیا ہے؟

سید مودودی کو ایوارڈ ملا

بندۂ خاکی کی فطرت میں ہو جب نوری مزاج
سو سکندر اک قلندر پر تو ہوتے ہیں نثار

زر نہیں بنتا ہے دُنیا میں علاجِ زندگی
زر سے چلتا ہے جہاں میں ظلمتوں کا کاروبار

ہو اگر بے لوث انسان کی تمنائے عمل
زیب تن ہونے کو خود آتا ہے ملبوسِ وقار

عزمِ مودودی نے دُنیا پہ یہ ثابت کر دیا
باوزن ہوتی ہے میداں میں مجاہد کی پکار

دیدہ ور ایسا کہ جسکی زندگی بے عیب ہے
باحیا ایسا کہ جس سے خوف کھائے اقتدار

ایک عزیز کو ترقی ملنے پر

ہے راہِ ترقی پہ اگر گامزن اُستاد
تعمیر کی دُنیا ہے ابھی تشنۂ فرہاد
دُنیا کو ضرورت ہے ابھی دردِ جگر کی
کرنا نہ مرے دوست کہیں دردِ سر ایجاد
تعمیر و ترقی کی یہ ضدیں ہیں نرالی
شیشے کے جگر میں ہو کہاں قوتِ فولاد
تعمیر کے سانچے میں ہے طہران و کراچی
ظلماتِ ترقی میں ہے قندھار اور بغداد
یہ تجربۂ علم و عمل خیر ہو ثابت
اِس دیس میں ہر گام پہ ہے گھات میں صیاد

لہ پروفیسر فیاض

انگریز

انگریز کو کہتے ہیں جہاں والے ہنرمند
میں اسکو سمجھتا ہوں اک تصویرِ نظر بند
مغرب کے فسانے کو یہ کہتا ہے حقیقت
مشرق کی حقیقت سے کبھی بھی نہ رضامند
مشرق کے زن و شو کے تعلق کو کہے عیب
مغرب کے مخنث کو کہے صاحبِ فرزند
مغرب کے بڑھاپے کو جوانی سے کرے یاد
مشرق کی جوانی میں نظر آئے ہے پیوند
مشرق کی بھلائی سے اسے خوب عداوت
مغرب کی برائی اسے بھاتی ہے ارجمند
برطانیہ کی لاش اب محتاجِ کفن ہے
سو سال کی بڈھی میں ہے کیا شوقِ حنا بند

مقتل

مقتل کی فضا جراءت و عظمت کا نظارا
توثیقِ وفا کرتا رہا خون ہمارا
اے عشق تبادے ترے گاہک کہاں گئے
ہر چار طرف ہم نے ہر گاہک کو پکارا
جمہوریت کے خوشہ چیں چپ سادھ لیتے ہیں
کن کے لہو سے سُرخ ہوا قوم کا دھارا
بے خوف و خطر جو ہوئے موجوں سے بغلگیر
ساحل کیا تلاش نہ ڈھونڈا ہی کنارا
تخلیقِ محبت کے گنہ گار تو ہم ہیں
توہینِ محبت بتا کیسے ہو گوارا

نگاہِ دور رس

برق گر جائے گی پھر، پھر آشیاں بن جائے گا
کیا دلِ بُلبل ضمیر لامکاں بن جائے گا
گردشِ دوراں کی خوگر ہے نگاہِ دور رس
آج کا نامہرباں کل مہرباں بن جائے گا

نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ

مے خانے کے رندوں کی سب دُنیا تو آباد ہے آج
پینے والے جھوم رہے ہیں ہر اک دل آزاد ہے آج

قیصر نے دَم توڑ دیا ہے آگ کا گھر خاموش ہوا
دلِ میں ہزاروں عزم لئے مسرور بہت فرہاد ہے آج

باغ کے غنچے، پھول چمن کے، کلیاں، پتے، بوٹے سب
نیند سے کیوں بیدار ہوئے مایوس بہت صیاد ہے آج

بدلے ہیں حالات کہ ممکن ناممکن سے پھوٹ پڑا
تڑپاتی تھی ارمانوں کو مرحم خود وہ یاد ہے آج

نس نس میں اک خوشی بسی ہے رگ رگ میں اُمید و جنون
دل کے ہر گوشے میں تیرے نام کا زندہ باد ہے آج

ایماں کے نغموں سے پھر معمور ہوئے دیہات و شہر
لاش کی مانند پڑنے والا ہر اک جا الحاد ہے آج

آدم کی اولاد نے دنیا ہاتھ میں لیکر خوب کیا
ماتم کے سیلاب میں ڈوبی بندر کی اولاد ہے آج

صلیب

تکیہ نہ کیجئے کبھی ایسے قریب پر
وارفتہ خود ہوا جو ادائے رقیب پر

میرے جنوں کے سانچے میں بس اک وہ ڈھل گیا
ہنستا رہا جو آخری دم تک صلیب پر

اب آزمائے جانے کی بھی حد تو ہوگئی
ہو التفات کی نظر کچھ اس غریب پر

باتیں وفا کی راز نہیں پر فاش ہوگئیں
کیا اعتبار ہو ہمیں اب سے نصیب پر

مدت سے آج ہم پہ ہوئے ہیں وہ مہرباں
دنیا کو کیوں نہ رشک ہو ایسے نصیب پر

وحشی

بھیڑیوں کی سلطنت میں بھیڑ کیا جیتا کرے
شہرِ وحشت میں فقط وحشی کو رہنا چاہیئے

کُکرناگ کی شام

(۱)

ہے کُکرناگ یا کہ صبحِ نور ہیں تیری ادا
کھول دیتی ہے دریچے ذہن کے بوئے صبا
راستے میں تیرے جلوے جیسے تاروں کا ہجوم
پانیوں میں تیری یادیں جیسے موتی جا بجا
کاش جھرنوں کی طرح زندہ ہو جوشِ انقلاب
کاش لہروں کی طرح دردِ جگر کی ہو صدا
نوجوانوں کی سلگتی آگ ہو باطل شکن
میرے شاہینوں کے پر کاٹے نہ کوئی بھی بَلا
پھر سے ہو بیدار یا رب میری ملّت کا شعور
کارواں پھر سے ہو آمادہ بسوئے کربلا
کس نے چھینا ہے حسین چہروں سے نورِ زندگی
روح سے خالی بدن ہیں جیسے مرمر کے خدا
کتنا سنجیدہ یہاں دیکھا پرندوں کا مزاج
کتنی پیاری ہے درختوں کی مدھر مست فضا
کتنی یکسوئی سے قائم ہے یہ پھولوں کی بہار
کس ترنم سے یہاں چھوتی ہے جسموں کو ہوا

بجھ گیا ہے میرے انسانوں کی بستی کا چراغ
ہر قدم پر دیکھتا ہوں بے حیا و بے وفا

* * *

دوستوں نے بھی سرِ راہ مجھے چھوڑ دیا
شوق سے بھگتی ہے ہم نے یہ سزا تیرے لئے
اپنی خاطر تھی نہ جینے کی تمنا کوئی
ہم نے دی ہے زندگانی کو صدا تیرے لئے
کیا مزدوری تھا پھریں خانہ بدوشوں کی طرح
دیکھئے اپنے فقیروں کی ادا تیرے لئے
کس کی یادوں کے عوض ہمکو ملے زخموں کے پھول
کس کی خاطر ہے لہو رنگِ قبا؟ تیرے لئے
چھوڑنا گھر تیری خاطر کوئی سودا تو نہ تھا
ہم نے برہم ساری دُنیا کو کیا تیرے لئے
جب بھی ہمدم تو نے مانگا ہے وفاؤں کا ثبوت
ہم نے یہ دِل یہ جگر دے ہی دیا تیرے لئے
تیری خاطر ہی جلائے ہیں محبت کے چراغ
شوق سے اپنا لہو ان کو دیا تیرے لئے

الیکشن پاکستان

کیا ہوگا؟ غنچے، مالی، گل تعمیر گلستان بھول گئے
آغاز چمن انجام چمن خود چمن کے نگراں بھول گئے

اے پاک زمیں اے پاک وطن اے شاعر مشرق کے مدفن
اس خاک پہ جینے والے ہی اب خون شہیداں بھول گئے

اے مہر و وفا اے جوش عمل اے عشق مکمل حسرت ہے
کیوں بزم حسیناں کے خوگر خود حسن نگاراں بھول گئے

اللہ سے کفر کی انگڑائی ایماں کی دھرتی کانپ اٹھی
توحید کا پرچم لہرایا اور اس کو مسلماں بھول گئے

پھر دورِ غلامی آہی گیا پر اپنے عنادل کاٹ گئے
صیاد کی نیت اور قفس سازی کو اسیراں بھول گئے

چاہ اور راہ

بے تاب و مضطرب ہوئے جو تیری چاہ میں
بے خوف و خطر دوڑتے ہیں تیری راہ میں
جلاد ترے ہاتھ کو اُٹھنے سے ہے گریز
مدت سے منتظر ہوں ترا قتل گاہ میں
فطرت خلیل کی جسے دُنیا میں مل گئی
آتش کدے بھی پھول ہیں اس کی نگاہ میں
خالی پڑی ہے، رزم گہہ جوشِ انقلاب
شاید وہ عزم ہی نہیں میری سپاہ میں
باقی ابھی ہے جس میں مئے بدر کا خمار
کیا اس کا نشیمن ہے کسی خانقاہ میں

سمجھوتہ

پھر رقیبوں نے کیا اک دوسرے پر اعتماد
پھر ترا عاشق شہادت گاہِ الیانی میں ہے
کل تلک جن کے لبوں پر تھا ترا ذکرِ جمال
آج رنگِ کافری ان کی مسلمانی میں ہے
ہیں ترے ناز و ادا پر مٹنے والے زیرِ دام
بے حسی اِن کے سوا اس بزمِ انسانی میں ہے
تیری دنیا پر کہاں تک ہو ستمگاروں کا راج
کیا کوئی تعمیر بھی اِن کی قہر مانی میں ہے
وادیٔ کشمیر کے ہر اک چمن پر ہے خزاں
راز کیا غیروں کی ایسی فتنہ سامانی میں ہے

ف جب جنتا پارٹی کے الیکشن کے موقعہ پر کشمیر میں انتخابی سمجھوتہ ہوا تھا۔

غزل کی روح بجھ گئی

•

یہ شاعری ہے آذری
یہ نغمگی ہے سامری
یہ بانسری ہے ساحری
یہ دل بری ستمگری
غزل کی روح بجھ گئی

•

وفا ہنر سے دور ہے
فسانہ ہی شعور ہے
نہ آگہی نہ نور ہے
نہ آگ ہے نہ طور ہے
غزل کی روح بجھ گئی

•

ادیب محوِ جام ہے
نہ فن نہ فن کا نام ہے
ہر ایک فکرِ خام ہے
خیال بے لگام ہے
غزل کی روح بجھ گئی

•

وہ محفلِ سخن لٹی
وہ رونقِ چمن لٹی
متاعِ فکر و فن لٹی
وہ بزم و انجمن لٹی
غزل کی روح بجھ گئی

•

نہ دل رہا نہ وہ نظر
نہ تیر وہ نہ وہ جگر
وہ لفظ و حرف کیا ہوئے
جو نیشتر تھے خود سپر
غزل کی روح بجھ گئی

حسرت

مسلمان موت سے ڈرنے لگا ہے
نہ ہونا چاہیئے جو وہ ہوا ہے
ہر اک راہی کو منزل مل رہی ہے
یہ بے چارہ ابھی تک ہی کھڑا ہے
جہادِ زندگی اوروں کو حاصل
اسے پیری مریدی کا نشہ ہے

پتے کی بات

رازی کے اشارات ہوں رومی کے کمالات
دلِ عشق کے شعلے سے ہو خالی تو فسوں ہے
جس طارقِ اندلس کی سپاہ میں نہ ہو ایثار
بے حاصلِ سرمایۂ ملت وہ جنوں ہے
میں ملتِ مرحوم کی تعریف کروں کیا
ہر حال میں اب حال ہی اسکا تو زبوں ہے

جانِ من

داستان میری مرے ماضی کا اک شاہکار ہے
زندگی میری مری تاریخ کی للکار ہے
میں حوادث کا نگہباں ابتلاؤں کا امیں
میرے خوں سے لالہ رنگ ہے آج تک ساری زمیں
زندگانی کے لئے لازم ہے رازِ احتساب
بندگی کی شرطِ اول ہے ذہن کا انقلاب
شعر سے آزاد ہوتا ہے یہاں جن کا شعور
ایسے فنکاروں کو کہہ سکتی نہیں دنیا غیور
جانِ من اک مشورہ اک بات اک نازک خیال
پوچھتا ہوں تجھ سے کیا ہے جدتِ ذوقِ جمال
لذتِ افکار سے دیوانہ ہے میرا وجود
شدتِ جذبات سے پروانہ ہے میرا وجود
ولولوں کے گرم انگارے جلاتے ہیں مجھے
آتشِ احساس پر ہر دم لٹاتے ہیں مجھے
آگ سینے میں سلگتی ہے بجھا سکتا ہے کون
سوزِ کے شعلوں کو دنیا میں دبا سکتا ہے کون؟

پھولوں کا تحفہ

زیر و بم غیروں کا، ہلچل دوسروں کی، اپنا دل
ایسی معجوں سے سبوں کو تازگی مل جائے کیا
زخم نو میری جوانی کے لئے ہے یادگار
پھول کے تحفوں سے دل کو دلبری مل جائے کیا
آبلہ پائی شریعت جن کی صحرا میں رہی
ایسے دیوانوں کو برہم ہر کلی مل جائے کیا؟

چشم شاعر

خواب چمکائے مگر تعبیر کوئی نہ ملی
رنگ بنوائے مگر تصویر کوئی نہ ملی
زندگانی رات دن ہر ایک غم سہتی رہی
ان کے بہلانے کو بھی تدبیر کوئی نہ ملی
چشم شاعر کی طرح پڑھ لی کتاب آرزو
عقل دامنگیر تھی تاثیر اپنی نہ ملی

چھاپہ

اگست ۷۵ء

طیورِ آشیاں میں تھے ستارے آسماں پر
خمارِ خواب چڑھ رہا تھا پیر پر جواں پر
نہ آہٹیں نہ شور و گل گلی گلی خموشی تھی
بہار جیسے ہوگئی تھی مہربان خزاں پر
اسی سمے اسی گھڑی لُٹا ہمارا قافلہ

•

میں بُت شکن خطا یہی جُھکا نہ دی کبھی جبیں
میں ہر حریص وقت پر پھرے جہاں ہیں نکتہ چیں
مری نظر ترے جگر کو بھا رہا ہے وہ حسین
جو حسنِ کائنات میں چُنا ہوا ہے نازنین
اسی کے میکدے سے میں نے جامِ عشق پی لیا

•

سپاہیوں نے گھیر کر مرے شعور و فکر کو
دیئے یہ مشورے کہ مصلحت کا روپ دھار لے
مگر انا دل جھکا نہ سر جھی نہ تپش بندگی
یہ مصطفیٰؐ کا اُمتی بتوں کو کیوں پکارے
قصور میرا اس سے بڑھ کر اور کیا تھا ساقیا

بلب بجھا دئے گئے قفل چڑھا دئے گئے
کتابِ حق پہ لاٹھیاں برس گئیں برس گئیں
جو سو گئے تھے ان کو زور سے اُٹھا دیا گیا
گھڑی بھی خونچکاں نگاہیں رات کی ترس گئیں
یہ کربلا نہ تھا مگر حسین کا تھا نقش پا

•

تلاشیوں کے بعد بھی نہ گن ملی نہ بم ملا
اگر ملی تو دفتروں میں روحِ زندگی ملی
ٹٹولنے کے بعد بھی ہمارے دل کے شہر میں
سُراغ پانے آئے تھے متاعِ دلبری ملی
یہی مِرے چمن کے باسیوں کا رنگ و نور تھا

•

دیارِ حسن کے شہید فوج نے اُٹھا لئے
مزار بن گیا وہی جو تھا گلوں بھرا چمن
مِرے جو ہمسفر تھے گاڑیوں میں بھر دئے گئے
بجھے وہ قمقے بجھانے آئے تھے جو راہزن
ستمگروں نے اس طرح لٹا دیا یہ قافلہ

•

ادھر یہ تھا اُدھر گھروں کو لوٹنے چلی سیاہ
حیا کی چادروں کو کاٹ کر اندر یہ گھس گئے
کسی کے نورِ عین نے ذرا سا شور کر لیا
تو ظالموں نے ہونٹ اس غریب کے بھی سی لئے
یہ بھیڑیے کہ ہو رہے تھے لحظہ لحظہ سیخ پا

•

قفس میں ان شکاریوں نے بلبلوں کو چُن لیا
کہ طائرانِ عشق کیا اسیر سارے ہو چکے؟
مرے یہ بال و پر تراشنے جو آ گئے وہی
حقیقتوں کے دیس میں وقار اپنا کھو چکے
کرے گا کل ہی انقلابِ وقت اس کا فیصلہ

•

یہ واعظوں کے شعبدے برہمنوں کے مشورے
چلو وفا کے شہر میں لگائیں آگ وقت ہے
غیور ہیں جسور ہیں رہیں نہ کائنات میں
اُٹھو کہ بزمِ عیش ہے تو گائیں راگ وقت ہے
اسیر کر دئے گئے جو دین کے تھے ہمنوا

۱۱۔ لُٹے اگر دبے کہاں شہادتوں کے ترجماں
گرے اگر لُٹے کہاں محبتوں کے نغمہ خواں
نہ شورشوں کی فکر ہے نہ یورشوں کا خوف ہے
کہ ابتلا پسند ہیں یہ سخت کوش و سخت جاں

•

۱۲۔ یہ قافلہ کہ حُسنِ انتخابِ کائنات ہے
یہ قافلہ کہ آبروئے شوخیٔ حیات ہے
یہ قافلہ کہ آرزوئے عشقِ پُر ثبات ہے
یہ قافلہ کہ جستجوئے روحِ حادثات ہے

•

۱۳۔ یہ کارواں کہ ملتِ حضور کا ضمیر ہے
یہ کارواں کہ انقلابِ وقت کا خمیر ہے
یہ کارواں کہ واقعاتِ تازہ کا مُدیر ہے
یہ کارواں کہ جرمِ وفا کے لئے اسیر ہے

•

۱۴۔ مرا ہر ایک ہمسفر شہیدِ حُسنِ یار ہے
نہ دل میں خوفِ دار ہے نہ فکرِ روزگار ہے
بتاں تازہ کی تفسیر اسکی ہر پکار ہے
جگر کے گوشے گوشے میں فقط خدا کا پیار ہے
یہاں متاعِ زندگی صعوبتوں سے دل لگی
یہ دلِ جلوؤں کی انجمن جنوں کی یادگار ہے
یہاں کے گل نشانیاں ہیں داغہائے عشق کے
یہاں جو زخم کھا گیا وہ وارثِ بہار ہے

•

۱۴۔ سمندروں کا زور بھی مرا حریف کار ہو
وہ بادلوں کا شور بھی مجھی پہ زوردار ہو
مرے لئے وہ برقِ تند و تیز بیقرار ہو
یہ قاتلوں کا وار بھی مجھی پہ بار بار ہو
جدیدیت کا رنگ و بو ترقیوں کا چار سو
مرے جمالِ آرزو کے واسطے غبار ہو
مرا قدم رُکے گا کیوں مری جبیں جھکے گی کیوں
یہ اقتدارِ وقت بھی بہت ہی ہوشیار ہو

۱۵۔ •

۱۵۔ شہیدِ ناز کے لئے نیاز کب دلیل ہے
محاذِ عشق کے لئے وہ خود بخود رحیل ہے
یہی حسین کا سبق یہی غمِ خلیل ہے
یہی حیاتِ ملت حضور کی فصیل ہے
جو اس نگر میں آگیا وہی مُراد پا گیا
کہ دو جہاں کا نازنیں یہاں کا ہر قتیل ہے
جمال پہ جسے نظر ہو دیکھ لے وہ غور سے
یہاں کا خون حسن ہے کفن دفن جمیل ہے

بکاؤ مال

ہم تیسنو سنو راز دارو سنو
سحر خیز سنو بادہ خوارو سنو
عارفو عابدو زاہدو عاشقو
میرے حسن تغزل کے پیارو سنو
عاجزو بے کسو لاغرو بے گھرو
زندگی کے سبھی شاہکارو سنو
بلبل و شبنم و غنچہ ہا و گلو
باغ ارماں کے سارے بہارو سنو

ہم بکے تم بکے

بات پتے کی ہے تاجدارو سنو
رنگ رہتا نہیں بو پریشاں ہے
یہ حقیقت بھی تم لالہ زارو سنو
ضربتِ لا الہ جب نہ مقصود ہو
ہیچ ہیں زخم سب داغدارو سنو
سوز ہے زندگی ساز ہے زندگی
مدتوں سے پڑے بیقرارو سنو

ہم بکے تم بکے

دوستو دشمنو ہم دمو رہبرو

(۲) تم پریشاں ہو میں پریشاں ہوں
زندگی بک گئی بندگی بک گئی
تم بھی ناداں ہو میں بھی ناداں ہوں
تم ہو جلاد گو میں بھی ناداں ہوں
تم مسلماں ہو میں مسلماں ہوں
وار کیا چیز ہے سر ہتھیلی پہ ہو
دلولے زندہ ہوں تازہ ارماں ہوں
عشق والوں سے یہ بات کہہ دیجیے
زلف تب ہی تو ہیں جب پریشان ہوں
تم بچے ہم بچے

(۱۱) دردِ سر ہے یہ غم جب تلک خام ہو
زندگی بوجھ ہے جب نہ یہ رام ہو
بے وطن ہوں صدا میری ہر سلطنت
بے زباں لے مکاں ہر کوئی شام ہو
پینے والوں میں ہوں میکدہ ہے میرا
جو علاج جگر ہے وہی جام ہو
جن پہ تیرِ نظر آپ کا چل گیا
کاش ان میں مرا بھی کبھی نام ہو
ٹوٹ جا ٹوٹ جا اے دلِ بے خبر
گر ہے چاہت تری کچھ تیرا دام ہو

وہ نظر وہ جگر کیسے مٹ جائیگا

جس کا عرشِ بریں رات دن بام ہو

سب ہے حسنِ ادب اور فرمانِ رب

سورۂ ق ہو یا الف لام ہو

تم بجے ہم بجے

(۴)

آدائے شورشِ غم سنبھل جائیں گے

ہم پہ حاصلِ حرام آکر جل جائیں گے

بزمِ امکان ہے یہ بود و نابود کی

شمع بنکر یہاں ہم پگھل جائیں گے

رقصِ دستور ہے گو تیری بزم کا

ہم بنا رقص کے ہی مچل جائیں گے

راستہ پُرخطر راہرو بے خبر

ساتھ ہم قافلے کے ہی چل جائیں گے

موت آتی نہیں آدمی پر کبھی

چاند خورشید تارے بھی ڈھل جائیں گے

ہم بجے تم بجے

(۵)

قافلہ قافلہ کارواں کارواں

عشق مجنوں سے آجکل بدگماں

لفظ بنتے نہیں ذہن کھلتا نہیں

داستاں داستاں خونچکاں خونچکاں

جرم کہہ دیجیے گرچہ مجرم ہوں میں
ورنہ اتنے ستم مفت میں امتحاں
آہ بھر لوں گا کیوں واہ کرنے ہی سے
کاٹتے سر ترا ہی تو ہے جانِ جاں
تم بچے ہم بچے

امدادِ کُن

کتنا بزدل ہے جو غیروں سے کہے امدادِ کُن
ایسے ظالم کو مسلماں جو کہے کافر ہے خود
دینِ ابراہیم کو میراث سمجھا ہے تو کیا
سود اِس دعوت کا کیا داعی یہی جب باہر ہے خود
اشتراکی سورماؤں سے گِلہ کیا کر سکوں
جبکہ مسلم ہی فنِ تشکیک میں ماہر ہے خود
میرے خالق کے لئے تعریف ساری کائنات
گلشنِ ہستی کے ہر ذرّے میں وہ ظاہر ہے خود
اِس کی خلاقی جہاں میں کِس طرح مجروح ہو
ذات میں عادات میں وہ مطہر و طاہر ہے خود

یہ قافلہ یارو نہ رُکا ہے نہ جُھکا ہے

ایرانی انقلاب کے موقع پر

۱۹۸۰

اس قافلے کا کام ہے بے لوث محبت
اس قافلے کا نام ہے پُرسوز شجاعت
اس قافلے کا جام ہے لبِ جامِ شہادت
اس قافلے کا کام ہے تطہیر قیادت
یہ قافلہ یارو نہ رُکا ہے نہ جُھکا ہے

(۲)

الحاد کے اس دورِ جہالت کے مقابل
طاغوت کے طوفانِ رذالت کے مقابل
نمرود کی بے رحم قیادت کے مقابل
فرعون کے سیلابِ رعونت کے مقابل
یہ قافلہ یارو نہ رُکا ہے نہ جُھکا ہے

(۳)

یہ دوڑتے ہیں واں جہاں ہوں تیرے نظارے
ہیں ان کے دلوں سے عیاں ایماں کے شرارے
کتنے بھی حسیں کیوں نہ ہوں باطل کے اشارے
دل ان کے نہ جی سکتے ہیں شیطان کے سہارے
یہ قافلہ یارو نہ رُکا ہے نہ جُھکا ہے

(۴)

مانا کہ ہر اک موڑ پہ مقتل کا سماں ہے
مانا کہ تڑپتی ہوتی ہر روح جواں ہے
مانا کہ نیا دور مشینوں کا دھواں ہے
مانا کہ چمن میں یہاں ہر سمت خزاں ہے
یہ قافلہ یا رو نہ رُکا ہے نہ جھکا ہے

(۵)

ہم نے رسن و دار پہ بھی کلمہ پڑھا ہے
توحید کے ہتھیار سے بے خوف لڑا ہے
اسلام کا جانباز جہاں بھی ہے کھڑا ہے
تحریر ہو تقریر ہو حق پر ہی اڑا ہے
یہ قافلہ یارو نہ رُکا ہے نہ جھکا ہے

(۶)

افکار کا عالم ہو یا رفتار کی دُنیا
گفتار کا عالم ہو یا کردار کی دُنیا
وعدے کی روایت ہو یا ایثار کی دُنیا
پھولوں کا ملے ہار کہ ہو دار کی دُنیا
یہ قافلہ یارو نہ رُکا ہے نہ جھکا ہے

معرکۂ افغانستان

۱۹۸۰ء

(۱)

پھر ہو گیا ہے معرکۂ کرب و بلا تیز
جو فتنۂ حیا سوز تھا وہ بن گیا خون ریز
پھر سے ہوا ہے زندہ مرے شہر میں چنگیز
ثابت ہوا غنچوں کا محافظ ہی تھا گلریز
لائی ہوتی شاید یہ مصیبت ہے ہماری
کیا کی ہے تیرے دل نے شہادت کی تیاری

(۲)

یہ خون بہا، قتل ہوا، گھر جلا کس کا
عزت کا نشان مٹ گیا تو مٹ گیا کس کا
اس ناچ میں عریاں ہوا تن تو ہوا کس کا
ملت کے جوانو کہو یہ گھر لٹا کس کا
اب نام کی دنیا میں اخوت ہے ہماری
کیا کی ہے تیرے دل نے شہادت کی تیاری

(۳)

فاسق کی یہ پہچان، رہے جان سلامت
مومن کی یہ پہچان، ہو ایمان سلامت
ملت کی نہ اب شان نہ پہچان سلامت
امت کی یہ کوشش کہ ہو شیطان سلامت
کیا پھر بھی زمانے کو ضرورت ہے ہماری
کیا کی ہے تیرے دل نے شہادت کی تیاری

(۴)

تاریخ دہرائے گی یہ میدان ہے تمہارا
تحریک کے ہر موڑ سے ملتا ہے اشارا
خاروں کی زبان نے مرے قدموں کو پکارا
بے تاب امنگوں کو فرائض نے پکارا
سر دینا خوشی سے یہ شریعت ہے تمہاری
کیا کی ہے ترے دل نے شہادت کی تیاری

(۵)

زنجیر غلامی کی ہے توڑیں گے جیالے
تاریکیوں کو مار بھگاتے ہیں اجالے
ٹوٹے ہوئے تاروں کو مہ نو تو بنا لے
روٹھی ہوئی تقدیر کو واپس تو بلا لے
خاموش بہت دیر سے غیرت ہے تمہاری

(۶)

ظالم نہ ڈرا مجھ کو کسی دار و رسن سے
مانوس ہوں بجلی کی زمین پہ ہیر جلن سے
صیاد نے دیکھا ہے سدا، دیکھ رہا ہے
تھا عشق مرا پختہ چمن بوئے چمن سے
بے منت موسم یہ عبادت ہے تمہاری

(۷)

انجام یزیدوں کا ذرا دیکھ ذرا دیکھ
سرکش کے لئے وقت کی سولی کی ادا دیکھ
اس خون کے قطروں میں ہے شامل جو رضا دیکھ
اس خون کی ہر بوند میں قاتل کی سزا دیکھ
ہے فیصلہ قدرت کا قیادت ہے ہماری